اُدعُ الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة

﴿اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے﴾

لغزشیں

اور

پیغمبر اسلام ﷺ کا طریقۂ اصلاح

مصنف

محمد عفان عباسیؔ

حسبِ ایماء

حضرت اقدس ماسٹر محمد شمشیر اعظم صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

عالی مرتبت مخدوم المکرّم حضرت اقدس ماسٹر محمد عباس خان صاحب دام ظلہ

تفصیلات

نام کتاب	لغزشیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کا طریقۂ اصلاح
مصنف	مفتی محمد عفان عباسیؔ
معاونین	محمد عیسیٰ زاہدؔ قاسمی، ظہیر احمد فیصلؔ
سن اشاعت	2014
صفحات	160

فہرست مضامین

انتساب

ان لوگوں کے نام
جو دین کے لئے شہروں، صحراؤں اور جنگلوں کی خاک چھان رہے ہیں
جو در در بھر صدائیں لگا رہے ہیں:
آؤ

روشنی کی جانب......!

تقریظ عالی

مخدوم عالی حضرت اقدس الحاج ماسٹر محمد شمشیر اعظم صاحب مداللہ ظلہ العالی

عرصہ سے میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمارے زمانہ میں الحمدللہ ہمارے بہت سے بھائی اور بزرگان اصلاح اور دعوت وتبلیغ کے کام لگے ہوئے ہیں، ان کی نیتیں پوری کی پوری خالص ہیں، ان کا جذبۂ تبلیغ اخلاص سے پُر ہے، وہ اللہ کی توفیق سے اپنے جان و مال اور وقت کی عظیم قربانی بھی دے رہے ہیں۔

لیکن.....اُن میں سے کچھ لوگ ناواقفیت اور کم علمی کی بناء پر اصلاح وتنبیہ اور دعوت وتبلیغ کا ایسا طریقہ اپنا جاتے ہیں جو اُن کی نظروں میں بہت مناسب ہوتا ہے، لیکن اِس کا اثر الٹا پڑ جاتا ہے، اور یہ جوڑنے کے بجائے توڑنے کا کام کر دیتا ہے۔ یہ دیکھ دیکھ کر میرا دل بہت بے چین رہا کرتا تھا کہ ایک طرف تو اِن مخلصین کا جذبۂ اخلاص اور بے لوث قربانیاں۔ دوسری جانب نتیجہ صفر بلکہ بسا اوقات اختلاف وانتشار کا باعث۔

میں نے اِس سلسلہ میں عفان بابو سے تذکرہ کیا کہ: بابو! کوئی ایسا مواد تیار کیا جاتا جس سے اِس کا سدِ باب ہو سکے، اور اِن عظیم الشان کاموں میں لگے بھائیوں کی قربانیاں خاطر خواہ اثر لا سکیں، اور اب تک میری نظر سے ایسی کوئی کتاب نہیں گذری جو صرف اسی ایک نکتہ پر مرکوز ہو اور اس مسئلہ کے ہر ہر جزئیات کو جامع اور

محیط ہو۔کیا ہی بہتر ہو کہ تم اللہ پر بھروسہ کر کے اس سلسلہ میں قدم اٹھاؤ۔

ماشاءاللہ! اللہ کے فضل و کرم سے اُن کی محنت و کاوش سے یہ کتاب ''دوسروں کی اصلاح سے پہلے....'' کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، میں اس کتاب پر صرف یہی تبصرہ کروں گا کہ: ہر وہ شخص جو دوسرے کی اصلاح کرنا چاہے وہ دوسروں کی اصلاح سے پہلے اِس کتاب کا مطالعہ ضرور کرلے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ عفان بابو نے ''روشنی کی جانب'' کے عنوان سے جو عظیم اور مبارک سلسلہ شروع کیا ہے ،لوگ جوق در جوق اس ''روشنی کی جانب'' آتے چلے جائیں ،اور روشنی کا یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے اور امت اس روشنی سے فیضیاب ہوتی چلی جائے۔آمین۔

یکے از غلامان ماسٹر محمد عباس خان صاحب مدظلہ العالی
محمد شمشیر اعظم

گر سنو تو ایک بات کہوں.....؟

غلطیوں کی تصحیح اور اس کا علاج و معالجہ بلاشبہ تمام مسلمانوں پر ضروری اور واجب ہے،یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۔اس کا دائرہ بہت ہی وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔غلطیوں پر تنبیہ و اصلاح کرنا منہاج ربانی ہے۔

ابوطالب کی وفات حالت کفر پر ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ پھر بھی غایت رحمت کی وجہ سے ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہے تھے تو اللہ نے تنبیہ کی: **ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحاب الجحیم.** نبی اور ایمان والوں کے یہ روا نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کریں اگرچہ وہ مشرکین اُن کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اِس کے بعد کہ اُن (نبی اور مسلمانوں پر) یہ بات واضح کردی گئی ہو کہ وہ (مشرکین) دوزخیوں میں سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کر لینے کے بعد کچھ مسلمان مکہ کے اندر بغیر کسی شرعی عذر کے مقیم تھے، یہ ان کی غلطی تھی،اللہ نے اس کی اصلاح کے لئے آیت نازل فرمادی۔**الم تکن ارض اللہ واسعة فتھاجروا فیھا.**

جمعہ کا خطبہ،رسول اللہ خطیب کہ تجارتی قافلہ آ گیا، کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر دوڑے بھاگے۔یہ اُن کی غلطی تھی کہ خطبہ کے دوران اٹھ کر دنیاوی کاموں میں چلے گئے۔ان کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے آیت نازل ہوگئی: **اذا رأوا تجارة او لھو انفضوا الیھا وترکوک قائما،قل: ما عنداللہ خیر من اللھو ومن التجارة.** (جب انھوں نے تجارت یا لھوولعب کو دیکھا تو اس کی طرف آپ کو

کھڑا چھوڑ کر دوڑ بھاگے، آپ اعلان کر دیں: جو اللہ کے پاس ہے وہ لہو ولعب اور تجارت سے بہتر ہے)

اس کے علاوہ بہت سی آیات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ عز وجل نے مؤمنین کی غلطی پر ان کی اصلاح اور تنبیہ کی غرض سے آیت نازل فرمائی۔اس کے بعد.....رسول اللہ ﷺ بھی ہدایتِ خداوندی کی روشنی میں چلے، آپ نے بھی یہی منہج اختیار فرمایا، جب بھی کوئی منکر اور غلط چیز سامنے آتی تو اس سے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے، اس سے لوگوں کو منع فرماتے اور اس میں ملوث ہونے والے کو تنبیہ۔

پھر چونکہ لوگوں کی غلطیوں کے وقت نبی ﷺ کا اُن کے ساتھ تعامل و برتاؤ اس لئے اہم اور نمونہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ان کے رب کی جانب سے تائید وحمایت حاصل ہے، ان کے اقوال و افعال سارے کے سارے وحیِ الٰہی کے ذریعہ مؤید ہیں، نبی ﷺ بڑے حکمت والے ہیں اسی لئے لوگوں کے ساتھ نبی ﷺ کا سلوک وبرتاؤ اور معاملہ مضبوط اور مستحکم طریقہ پر ہے، ان کی روش ہمارے لئے نمونہ ہے، بلکہ ہمارے لئے نمونہ اور اسوہ صرف وہی ہیں۔ **لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا.** بلاشبہ محمد رسول اللہ کے اندر ایمان والوں کے لئے بہترین نمونہ اور قدوہ ہے..........

پھر یہ کہ اُن کی راہ دنیاوی خود ساختہ راہوں سے بالکل الگ ہے، جن کے طریقہ نے ہمیں دنیا اور دنیا والوں کے گڑھے ہوئے تمام قاعدوں سے مستغنی اور بے نیاز کر دیا ہے، ہم مسلمان اس لئے نہیں ہیں کہ ہم انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں، بلکہ ہمیں علم وشریعت اور نبی ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اس لئے دی گئی ہے، تاکہ دنیا کی آنکھیں ہماری جانب امید وطلب سے اٹھیں اور ہماری ہدایت ان کے لئے اتباع وتقلید کا پیام ہو۔

آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے، اِن دو چیزوں سے بڑھ کر اور کون سا مبدأ علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اصول وفروع میں رہنما ہو؟

دنیا میں علم ویقین صرف وحیِ الٰہی اور علوم واعمالِ نبوت ہیں، اس کے سوا اِس سمائے دنیا کے نیچے علم ویقین کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کے ماسوا جس قدر بھی ہے، سب وہم اور ظن ہے، قرآن پکار پکار کہتا ہے: یہ سب ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے، تخرص اور تلعّب بالریب ہے، ظلمات اور تاریکیاں ہیں: **ما لهم بذلك من علم، ان هم الا يظنون.**

علم، یقین، برہان، بصیرت اور فرقان ونور تو صرف اسی اعلم الخلائق اور اعرف العباد ﷺ کی درسگاہ سنت وحکمت سے مل سکتا ہے جو شک کی جگہ یقین کا، جہل کی جگہ علم وبصیرت کا، ظن اور رائے کی جگہ بینہ وحجت کا، قیاس وتخمین کی جگہ برہان و فرقان کا اور اِن سب سے بڑھ کر نور اور "نورٌ **علی نور**" کا اعلان کر رہا ہے: تبیاناً **لكل شئ** اور **عروةُ الوثقى، لا انفصام لها.** اور تمام کرۂ ارضی کو یہ کہہ کر بلا رہا ہے: **هذه سبيلي، أدعوا الى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني.** یہی میرا طریقہ ہے، میں علی البصیرت اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔

پس.....آپ کو اپنے طریقِ عمل اور نظمِ کار کے لئے صرف کتاب وسنت کو ہی دستور العمل بنانا چاہئے اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئے، یہ جو اِرد گرد آنکھوں کو خیرہ اور چکاچوند کر دینے والے نظارے دکھائی دے رہے ہیں، وہ تہذیب وتمدن نہیں، بلکہ حیوانیت اور ضلالت وگمراہی ہیں۔ گمراہی اور صرف گمراہی۔ ضلالت اور ضلالت ہی ضلالت۔

آنکھیں تو کھولئے! دنیا آپ کی علم و بصیرت کی محتاج ہے، آپ کو علم و عرفان کے لئے دنیا والوں کی ضرورت نہیں، بلکہ دنیا والوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس اسوۂ رسول ہے۔

فرد ہو یا جماعت۔ مسئلہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ تنہائی میں ہو یا مجمع میں۔ سفر میں ہو یا حضر میں۔ ہر موقع پر آپ اپنے زیرِ نگیں رہنے والوں، اپنے دوستوں اور اپنے ساتھیوں بلکہ تمام مسلمان بھائیوں کے ساتھ کیسا معاملہ، کیسا سلوک اور کیسا رویہ اختیار کریں؟ کیسے اُن کی مؤثر اصلاح کریں؟ کیسے ان کے دل کو موہ لیں؟ کیسے اُنھیں راہِ راست پر لائیں؟

آئیں ''روشنی کی جانب'' کیونکہ: **اولئک الذین هداهم الله، فبهداهم اقتده .قل لا اسئلکم علیه اجرا، ان هو الا ذکری للعالمین.** (یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے سیدھی راہ دکھائی، تو آپ انھیں کے راہ کی پیروی کریں اور کہہ دیں کہ: میں اس پر اجرت کا طالب نہیں، یہ تو محض دنیا والوں کے لئے نصیحت ہے)۔ شاید اس کے بعد آپ کہیں:

وحدّثتَنی یا سعد عنها، فزِدتَنی جُنونا

فزِدنی مِن حدیثِکَ یا سعد!

برادران قاضی ظہیر احمد فیصل و مولانا محمد عیسیٰ زاہد قاسمی نے اس کتاب کے تمام تر مراحل میں میری ممکنہ معاونت کی، میں تشکر کے رسمی الفاظ سے ان کے جذبۂ احسان کی توہین نہیں کرنا چاہتا، اللہ عزوجل انھیں اس کا نعم البدل عطاء فرمائیں۔

محمد عفان عباسی

غلطیوں کے اسباب

الانسان مرکب من الخطاء والنسیان. اِنسان غلطی اور بھول کا مجموعہ ہے۔ غلطی کر دینا غلطی نہیں ہے، نہ ہی اس کی غلطی نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے، بلکہ غلطی تو یہ ہے کہ بندہ غلط کام پر جمارہے۔ یہی ہلاک کرنے والی چیز ہے۔

ایسی کیا بات ہے جس کی وجہ کر انسان غلطیوں اور خطاؤں کا ارتکاب کرتا ہے؟ چند عمومی وجوہات تو یہ ہیں:

جہالت

جہالت کا مطلب: **اعتقاد الشئ علی خلاف ماهو علیه.** کسی چیز کو اُس (کی اصلیّت) کے خلاف سمجھنا۔ معصیت وخطاء میں پڑنے کی سب سے بڑی وجہ جہالت ہے، حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''تمام کے تمام محرمات، کفر وفسق اور عصیان کے ارتکاب کی سب سے بڑی وجہ جہالت ہے، بندہ ان کا ارتکاب یا تو جہالت کی وجہ سے کرتا ہے یا ضرورت کی وجہ سے۔ اگر انسان کو کسی چیز کی مضرت اور اس کے نقصانات کا علم ہو اور وہ اِن کے عواقب کی ہولنا کی سے باخبر ہو تو وہ کیوں اسے انجام دینے لگے''؟

جہالت ایک خطرناک چیز ہے، اس کا مرض بہت مہلک ہے، قرآن کریم میں جا بجا اس کے خطرات کو بیان کیا گیا ہے: **قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها و ما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا بالله ما لم ینزل به سلطانا، وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون.** (اعراف:۷). کہہ دے: میرے رب نے حرام کیا بے حیائی کی باتوں کو جو اُن میں کھلی ہیں اور جو چھپی، اور گناہ

کو اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کا ایسی چیز کو کہ اس کی سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمے وہ باتیں جو تم کو نہیں معلوم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: **لا تشهد الا بما رأت عيناك، وسمعته اذناك، ووعاه قلبك. ويقول تعالى للعباد: انه سيسألهم عن اسماعهم وابصارهم وافئدتهم يوم القيامة، وعما اجترحته كل جارحة من هذه الجوارح.** اُس چیز کی گواہی نہ دو جس کو تمھاری انکھوں نے دیکھا نہ ہو، کانوں نے سنا نہ ہو اور دِل نے یاد نہ کیا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بیشک وہ (اللہ) روزِ قیامت اُن (لوگوں) سے اُن کے کانوں، آنکھوں، دِلوں اور ہر عضو سے صادر ہونے والے اعمال کے بارے میں باز پُرس کرے گا۔

سنت نبویہ میں بھی بہت سے مواقف اس امر کے شاہد ہیں کہ خطا اور غلطی کی بڑی وجہ جہالت ہے۔ حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ کا بیان ہے: میں نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں تھا کہ ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے "**يرحمك الله**" کہہ دیا، لوگوں نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا، میں نے کہا: **واثكل امياه** ! مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ یہ سن کر لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب رسول کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے ان جیسا معلم نہ تو ان سے پہلے دیکھا، نہ ہی ان کے بعد۔ خدائے پاک کی قسم! اُنھوں نے مجھے جھڑکا، مارا اور نہ ہی نامناسب بات (گالی گلوچ) کی۔ صرف اتنا فرمایا: **ان هذه الصلاة لا يصلح فيها شئى من كلام الناس، انما هو التسبيح والتكبير وقرأة القرآن.** بیشک نماز میں لوگوں کے آپس کے جیسی باتیں روا نہیں، بیشک یہ تو (اللہ کی) تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت پر مشتمل ہے۔ (**مسلم**)

دیکھیں یہاں اِن (نو مسلم) صاحب نے نماز میں ایک ایسے کام کا ارتکاب کیا

جو مشروع نہ تھی، یعنی چھینکنے والے کو جواب دیا۔ اس فعل اور اس غیر مشروع عمل کا ارتکاب عدم واقفیت اور جہل (معلوم نہ ہونے) کی وجہ سے تھا، اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ ہرگز اس کا ارتکاب نہ کرتے، جس سے معلوم ہوا کہ غلطی کرنے کی ایک بڑی وجہ جہالت اور عدم واقفیت ہے، اِن کے علاوہ باقی اصحاب جو نماز میں تھے وہ سب اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر انھیں خاموش کرنے لگے، کیونکہ وہ جان رہے تھے کہ نماز میں اس جیسے عمل کی گنجائش نہیں۔

پھر یہ بھی محل غور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی غلطی کی تصحیح کس طرح فرمائی؟ ہمیں رسول کریم ﷺ نے اپنے عمل سے کس چیز کا سبق دیا؟ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے ایسے اونچے مقام پر تھے کہ اللہ نے خود گواہی دی: **انك لعلىٰ خلق عظيم.** بیشک (اے نبی) آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔) نبی ﷺ نے اسے اچھی طرح تعلیم دی، اسے ایسے طریقہ سے سمجھایا جو قبولیت کے زیادہ قریب تھا۔ آپ نے اسے مارا نہیں۔ جھڑکا بھی نہیں۔ بُرا بھلا بھی نہیں کہا۔ تو....؟

ہاں! سوچیں تو سہی! آخر وہ کون سا برتاؤ تھا کہ اعرابی اعلان کر رہا ہے: **ما رأيت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه.** (میں نے بہترین سکھانے والا، اُن (نبی ﷺ) سے پہلے دیکھا نہ اُن کے بعد۔)

بیشک! یہ نبی ﷺ کا رفق ونرمی اور تحمل والا برتاؤ تھا کہ آپ نے صرف ایک سادہ سے جملہ میں ساری بات کہہ دی: نماز میں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

وہب بن کیسان نے عمر بن سلمہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: میں چھوٹا بچہ تھا، نبی ﷺ کی گود میں تھا، میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں ادھر اُدھر گھوم رہا تھا، نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: بچے! بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور سامنے سے کھاؤ۔ اس کے بعد سے میرے کھانے کا یہی طریقہ رہا ہے۔

اس غلطی کے پیچھے بھی جہالت کی کارفرمائی ہے، کہ ناواقفیت کی وجہ سے یہ غلطی صادر ہوئی کہ پورے برتن میں ہاتھ گھما کر کھا رہے تھے، جس سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہالت بہت بڑا مرض ہے، جس سے بچنا بلکہ اِسے دور کرنا نہایت ضروری ہے۔

کبر

غلطیوں کے ارتکاب وصدور کی دوسری بڑی وجہ کبر (تکبر) ہے۔ کبر: **الامتناع عن قول الحق معاندة وتکبرا.** تکبّر وعناد کی بِنأ پر حق بات سے پہلو تہی کرنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ: جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو......جی ہاں! رائی کے برابر بھی۔

آپ کے ذہن میں ایک سوال آ رہا ہوگا۔ یہی سوال ایک صحابیٔ رسول کے ذہن میں بھی آیا اور انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کے جوتے اچھے ہوں؟ (یعنی یہ بھی کبر ہے کیا؟) نبی ﷺ نے فرمایا: **ان اللہ جمیل یحب الجمال.** اللہ خود بھی خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند بھی کرتا ہے۔ تو پھر تکبر کیا چیز ہے؟ ہاں! **الکبر بطر الحق وغمط الناس.** حق سے اِترانا اور لوگوں کو پست وحقیر سمجھنا تکبر ہے۔ یعنی اترا کر حق کا انکار کر دینا، خود کو بڑا سمجھ کر حق سے منہ موڑ لینا اور....لوگوں کو حقیر وگھٹیا اور خود کو اِن سے برتر سمجھنا تکبر ہے۔

کبر کا مرض بہت خطرناک مرض ہے، قرآنی آیات اور ہدیٔ نبوی میں بہت سی جگہ اس کی مذمت آئی ہے۔ یہ غلطیوں کے ارتکاب کا بہت بڑا سبب ہے۔

ہم جان رہے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے صحرائے عرب میں ایک آواز گونجی جس کی بازگشت اب تک سنائی دے رہی ہے: اُس نکاح میں سب سے زیادہ برکت ہوگی جس میں اخراجات کا بوجھ کم سے کم ڈالا گیا ہو۔ افسوس کی بات ہے کہ اس نبی جلیل

کے امتی بھی اس لعنت میں گرفتار ہوتے جا رہے ہیں، کیوں؟

تکبر! لوگ ہمیں کیا سمجھیں گے؟ سماج کیا کہے گا؟ ارے! ہماری شان کا بھٹہ لگ جائے گا۔ جی! غلطیوں کے ارتکاب کی بڑی وجہ تکبر ہے۔ لیکن کیا بندہ نے یہ سوچا کہ تکبر اللہ کی چادر ہے، جو اس کو کھینچنا چاہے گا، اللہ اسے ذلیل ورسوا کر دے گا؟ یقیناً ایسے شخص کو اللہ ذلیل ورسوا کر دے گا۔

ایک شخص نبی ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: **کل بیمینک.** دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے برجستہ کہہ دیا: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ نبی ﷺ نے بددعاء فرمائی: تو دائیں ہاتھ سے نہ کھا سکے۔ اس نے نبی ﷺ کے حکم سے صرف تکبر کی وجہ سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ نتیجہ: اس کا دایاں ہاتھ منہ تک جاتا ہی نہ تھا۔ **(عن سلمة بن الأکوع . مسلم)**

نبی ﷺ نے بھانپ لیا کہ یہ شخص تکبر کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہے کہ: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ اس کا نتیجہ اُسے دیکھنا پڑا کہ وہ کبھی دایاں ہاتھ منہ تک لے جا ہی نہ سکا۔ بلاشبہ کبر اللہ کی چادر ہے، جو اسے کھینچنا چاہے گا، وہ رسوا کر دیا جائے گا۔

عجلت اور جلد بازی

کسی کام میں جلدی اور بہت جلدی کرنا: یہ بھی غلطیوں کی بڑی وجہ ہے، کہ آدمی کسی چیز میں بہت زیادہ غور وفکر کرنے سے پہلے ہی حکم لگا لے۔ اسلام جلد بازی کو ناپسند کرتا ہے، اس سے روکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی کام میں بہت زیادہ تاخیر بھی منع ہے۔ مثلاً آج ہمارے یہاں جو ایک وباء عام ہے کہ لڑکیوں میں شادی میں حد سے زیادہ تاخیر، یہ تاخیر شریعت کی نگاہ میں مذموم ہے۔

''بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو مناسب رشتے تلاش کر کے فوراً ہی اُن کے نکاح کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے، خوب سے خوب تر کی تلاش میں وقت ضائع کرنا اور ان کی شادیوں میں تاخیر کرنا قطعاً مناسب نہیں ہے، یہ ان کی فطری جذبوں کی بیخ کنی بھی ہے، لیکن جب ہم سماج و معاشرے میں نظر دوڑاتے ہیں تو کتنی ہی کنواری لڑکیاں ایسی نظر آتی ہیں جن کی شادی کی عمریں نکلی جا رہی ہیں، وہ شرم وحیا کی وجہ سے اپنے سر پرستوں سے شادی کا مطالبہ نہیں کر سکتیں، مگر جب اپنی سہیلیوں کو رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوتے دیکھتی ہیں تو ان کا دل روتا ہے، وہ اندر سے بلبلاتی ہیں، اور ہر لمحہ سو موت مرتی ہیں۔

لوگو! اللہ سے ڈرو اور اس دن سے خوف کھاؤ جس کی ہیبت سے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے، آپ نے اپنی بیٹی کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور اب اس کی کمائی حاصل کرنے کے لئے اس کی شادی نہیں کرتے، جب کہ آپ کی مسکین اور محروم بیٹی کی یہ خواہش ہے کہ اس کے اپنے بچے ہوں، اپنا گھر ہو، وہ جس طرح

کھانا چاہے، پہننا چاہے، رہنا چاہے، کھائے پہنے اور زندگی بسر کرے۔

اسی لئے اے والد بزرگوار! اپنی بچیوں کی جلد شادی کر دیں، کیونکہ اسے زیادہ دن تک الگ رکھنا مناسب نہیں جب کہ حدیث میں بھی آیا ہے لڑکا اور لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو ان کی شادی کرا دو۔

''ایک شخص کی ایک بیٹی تھی جب بھی اس کے لئے کوئی رشتہ آتا تو اس کا باپ اسے کسی طرح رد کر دیتا تھا، یہاں تک کہ بیٹی کی عمر اتنی ہوگئی کہ اسے شادی وغیرہ کی خواہش نہیں رہی، ایک دن اس کی طبیعت خراب ہوگئی اور خراب ہوتی چلی گئی، پھر ایک دن ایسا آیا اس کی حالت بہت نازک ہوگئی، وہ اپنے باپ کو بلاتی ہے اور کہتی ہے اے ابا جان! آمین کہو، اس کے باپ نے آمین کہا، لڑکی نے پھر آمین کہنے کو کہا، پھر اس نے آمین کہا، اسی طرح بیٹی نے باپ سے تین مرتبہ آمین کہلوایا اور کہا کہ میں اللہ سے سوال کرتی ہوں کہ وہ تجھ پر جنت کو ایسے ہی حرام کر دے جیسا کہ تو نے مجھ پر شادی کو حرام کر دیا۔ یہ کہتے ہی اس کی روح پرواز کر گئی'' اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون۔ (المرأۃ والحقوق المھضومۃ)۔

اے مشفق پدر! آپ کو اپنی بیٹی پر احسان کرنے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، تو آپ کو اس کی پاکدامنی اور عفت کا خیال رکھنا ہوگا، چنانچہ جیسے ہی لڑکی بالغ ہو تو اس کے لئے ہنرمند، اخلاق مند اور دیندار لڑکے کا انتخاب کر دیں اور جرائم پیشہ افراد سے بچتے رہیں، اس سے آپ کا مقصد لڑکی کی کمائی اور اس کے مہر سے اپنے پیٹ کو بھرنا نہ ہو، کیونکہ یہ نوجوان بچیاں اللہ کی امانت ہیں، کوئی خرید وفروخت کی جانے والی متاعِ ارزاں نہیں کہ انھیں دنیوی مقاصد کے حصول یا مال کی ذخیرہ اندوزی کا ذریعہ بنایا جائے۔'' (اقتباس: اسلام میں عورت قیدی یا شہزادی؟ مصنّفہ: محمد عفان عباسی۔ مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند)

دراصل اسلام ایک معتدل مذہب ہے جو ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتا ہے۔

جب جبریلؑ وحی لے کر حاضر ہوتے اور رسول کریم ﷺ کو سناتے تو آپ اسے جلدی جلدی دہرانے لگتے کہ مبادا بھول نہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا: ﴿**لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه.**﴾ آپ اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں، یقیناً ہمارے ذمہ اس کو جمع کرنا اور اس کو پڑھانا ہے۔

اِلہ العالمین نے انسان کی ایک صفت کا بیان کیا: **ویدع الانسان بالشر دعاءه بالخیر ،وکان الانسان عجولا.** (الاسراء: 11) (اور انسان برائی کی ایسی ہی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی، اور انسان جلد باز واقع ہوا ہے) جس طرح آدمی اپنے لئے خیر وبھلائی کی دعاء میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح اگر کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی ہے تو خود کو، اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو بد دعاء دینے میں بھی جلدی اور عجلت کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان بد دعاؤں کو قبول کر لیں تو اسے اور اس کے اہل وعیال کو ہلاک کر دیں۔ مگر آدمی ہے کہ..... قلق اور قلت صبر کی بناء پر اِن امور شر میں بھی جلدی کئے جارہا ہے۔

عجلت اور جلد بازی کی بڑی وجہ اور سبب ''شیطان'' (انسان کا ازلی دشمن) ہے۔ اسی وجہ سے روایت میں اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا: **التأنی من الله، والعجلة من الشیطان.** وقار (مزاج میں ٹھہراؤ) اللہ کی جانب سے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔) تفسیر شیخ اسعد حومد)

عجلت اور جلد بازی مذموم اور بری چیز ہے، جلد بازی میں آدمی اکثر غلطی کر جاتا ہے اور بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، ضرورت ہی کیا ہے کہ جلد بازی کی

جائے؟ ہم اپنی دیوار میں سوراخ کیوں کریں کہ کسی کو جھانکنے کا موقع ملے؟

تو کیا کریں؟ وقار وتمکنت، حلم وبردباری کا جامہ پہنیں۔ نبی ﷺ نے اشجؓ بن عبد قیس سے فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں: حلم اور اَناۃ یعنی بردباری اور وقار وتمکنت، کسی کام میں غور وفکر کرنے کے بعد اسے انجام دینا۔

عجلت میں غلطی کیسے ہوسکتی ہے؟ میں تو جلد بازی میں بھی صحیح کام کر لیتا ہوں!!

اچھا! نبی ﷺ نے ایک سریہ بھیجا جس میں حضرت مقدادؓ بن اسود بھی شریک تھے، جب انھوں نے دشمنوں پر دھاوا بولا تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک شخص وہیں جما رہا، اس کے پاس مال و دولت کی فربہی نظر آرہی تھی، اس نے مسلمانوں سے کہا: **اشهد ان لا اله الا الله.** لیکن مقدادؓ آگے بڑھے اور ان کا قصہ ختم کردیا۔

واپسی کے بعد..... اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا گیا، آپ نے مقدادؓ کو بلوایا: مقداد! یہ کیا کردیا؟ تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا جو یہ کہہ رہا تھا: **لا اله الا الله** ؟ تم کل اِس ''**لا اله الا الله**'' کا کیا جواب دوگے؟ کیا جواب دوگے اس ''**لا اله الا الله**'' کا؟ آیت نازل ہوگئی: **اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا.** (نساء: 94) اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم کو سلام کہے کہ تو مسلمان نہیں۔

اس غلطی کے پیچھے کون سا سبب کام کر رہا ہے؟ جلد بازی! عجلت!

آگے آئیں! ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا: اگر کسی شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو کیا وہ کافر ہوجائے گا یا اس کا ایمان باقی ہی رہے گا؟ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ اگر مسئلہ کا جواب واضح اور معلوم بھی ہو، تو بھی سوچ کر جواب

دیتے تھے، آپ سوچنے لگے۔ اچانک......ان کی مجلس میں ایک شخص واصل بن عطاء کھڑا ہوا اور کہنے لگا: **ليس بمؤمن ولا كافر.** ایسا شخص نہ تو مؤمن ہے نہ کافر۔

اسی شخص کی اسی بات کی وجہ سے اسلام میں سب سے پہلا فرقہ ''معتزلہ'' ظہور میں آیا۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شخص دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوتا، البتہ اس کا ایمان کمزور ہوجاتا ہے اور وہ فسق کے دائرہ میں آجاتا ہے، لیکن اِس شخص نے ایسے آدمی کو ایمان کے دائرہ سے ہی خارج کردیا۔

جی ہاں! اسلام میں سب سے پہلا فرقہ بننے کا سبب ''عجلت اور جلد بازی'' بنا۔

آپ سے کسی شخص نے کسی لڑکے کی بابت کہا کہ: آپ کی بچی کے لئے مناسب لڑکا ہے، ایسا ہے ویسا ہے وغیرہ۔ آپ نے ہامی بھرلی، اس میں غور وفکر بھی نہ کیا، صحیح طریقہ سے دیکھا بھی نہیں، جھٹ منگنی، پٹ بیاہ۔

کچھ دنوں بعد....لڑکا غیر مناسب نکل گیا، آپ کے خاندان کے لائق نہیں، آپ کی بچی اس کے پاس خوش نہیں۔ اسی لئے تو ایک شخص نے نبی ﷺ سے ایک عورت کے بابت کہا: میں نے اس سے شادی کی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ کیونکہ ان کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔ (مسلم:3551)

اس فرمان میں نبی ﷺ نے صرف یہی پیغام نہیں دیا ہے کہ شادی کے لئے لڑکی کو دیکھنا درست ہے، بلکہ ایک اہم پیغام جسے آپ نے سوچا ہی نہیں، کہ شادی سے پہلے بہت غور وفکر کرلیا جائے۔ کبھی ایک مقولہ نظر سے گذرا تھا، نہ جانے کس جگہ، بس ''**الحكمة ضالة المؤمن**'' (حکمت مؤمن کی گمشدہ پونجی ہے) کے تحت اسے سنبھال رکھا ہے: شادی انسانی زندگی میں کھلنے والا ایک نیا دروازہ ہے، جس میں سوچ

سمجھ کر داخل ہونا چاہئے۔

جلد بازی کسی بھی کام میں مناسب نہیں، خواہ کسی بھی تعلق کا کام ہو۔ جی غور کریں: نبی ﷺ فرمارہے ہیں: **اذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها وانتم تسعون، وأتوها وانتم تمشون، وعليكم السكينة.** جب نماز کھڑی ہوجائے تو بجائے دوڑنے کے اِطمینان اور وقار سے چلتے ہوئے آؤ (بخاری: 908) اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا ہے کہ ایک رکعت نماز قضاء ہوجائے لیکن یہ گوارا نہیں کہ مؤمن عجلت و جلد بازی میں اپنا وقار کھودے۔ جب نماز کے لئے آنے میں جلد بازی اور عجلت اچھی چیز نہیں تو اور کسی کام میں کیا؟ بلاشبہ عجلت شرمندگی کا دروازہ ہے۔

حسد

یہ تمنا اور خواہش کہ دوسرے شخص کے پاس جو نعمت ہے وہ کسی بھی طرح اس سے چھینی چلی جائے اور ختم ہوجائے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے کیا خوب فرمایا ہے: **ان الحسد هو البغض والكراهة لما يراه من حسن حال المحسود.** کہ دوسرے کی اچھی حالت دیکھ کر دل دکھے (کڑھے)، خود کو کوفت ہو کہ وہ اچھی حالت میں کیوں ہے، اسی کا نام حسد ہے۔

یہ بھی ہلاک کرنے والے امراض میں سے ہے، رذیل اور گندی صفت، افراد اور جماعتوں کو برباد کردینے والی......! جب کسی نفس میں یہ بیماری جنم لے لیتی ہے تو اسے اچھائی سے کھوکھلا بنادیتی ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت زبیرؓ بن العوامؓ نبی علیہ السلام کے فرمان کے ناقل ہیں: تم سے پہلی امتوں کے امراض تم میں سرایت کرگئے، حسد اور دشمنی۔ یہ مونڈ دینے والی ہے۔ مونڈ دینے والی....؟ میں یہ نہیں کہتا کہ: بالوں کو مونڈ دینے والی۔ لیکن یہ دین کو مونڈ کر ختم

کر دینے والی ہے۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے!تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتے ،جب تک ایمان نہ لے آؤ،اور اس وقت تمہارا ایمان قابل قبول نہیں جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جو تم میں محبت پیدا کرے؟ **افشوا السلام بینکم.** آپس میں خوب سلام کیا کرو(ترمذی:2510)(جانے پہچانوں کو بھی اور نامعلوم افراد کو بھی)

حسد یہودیوں کی خصلت ہے،اللہ تعالیٰ کی تنزیل ہے: **ود کثیر من اھل الکتا ب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا،حسدا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق.** (بقرہ: 109)دل چاہتا ہے بہت سے اہلِ کتاب کا کہ کسی طرح تم کو مسلمان ہونے کے بعد کافر بنادیں،بسبب اپنے دلی حسد کے،بعد اس کے کہ ان پر حق ظاہر ہوچکا۔

اورحدیث میں ہے: **من تشبہ بقوم فھو منھم.** جوشخص کسی بھی اعتبار سے دوسرے قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے۔تو مطلب صاف ہے کہ جوشخص حسد کر کے یہودیوں کی مشابہت اختیار کرے وہ.........؟العیاذ باللہ!

ود کثیر من اھل الکتا ب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا،حسدا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق. (بقرہ: 109)

اس ایک آیت میں کتنی ساری باتیں واضح ہیں،آپ اس پر''من حیث المجموع''سرسری نظر ہی ڈالیں تو پتہ چلے کہ:

حسد کرنا یہودیوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے۔حاسد خبیث نفس کا ہوتا ہے۔حسد کرنے والا اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں رہتا۔جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر نعمتوں کی بارش فرماتے ہیں،حاسد کا دل چھلنی ہونے لگتا ہے۔بے چارہ حاسد! ایک تو اِس کا دل جل رہا ہے،دوسری طرف: نبی ﷺ کا فرمان ہے: **ایاکم و الحسد**

،فان الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب.
(ابوداؤد:4905)حسد سے بچتے رہو!یہ نیکیوں کو ایسے ہی جلا دیتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

کیا ایسا ممکن ہوسکتا ہے کہ لکڑی کو آگ میں ڈالیں،پھر اسے آگ سے صحیح سلامت نکال بھی لیں؟

نہیں!تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ بندہ کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہو اور نیکیاں صحیح سلامت رہیں.......؟

حکیم الامت حضرت اقدس الشاہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے''شریعت و طریقت''میں فرمایا ہے:''حسد قلبی مرض ہے،اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی،دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال ساقط(برباد)ہوجاتے ہیں،نیکیاں چلی جاتی ہیں،حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنا ہوا ہے،اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت وافلاس نصیب ہو،اسی طرح عذابِ آخرت بھی سر پر رکھا اور اپنی قناعت وآرام کی زندگی کو برخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت خریدی''

حسد غلطیوں کے صدور وارتکاب کی ایک بڑی وجہ ہے۔جی یقین کریں!ابلیس کے راندۂ درگاہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تکبر کیا اور سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟

کیوں کہ اس کے دل میں حضرت آدمؑ کا مقام ومرتبہ،ان کا علم وفضل دیکھ کر ان کی طرف سے حسد آگیا،حضرت علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: **وھل منع ابلیس من السجود لآدم الا الحسد.** اِبلیس کو فقط حسد ہی نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے روکا۔

قابیل نے ہابیل کو قتل کیوں کیا؟ حسد کی وجہ سے! کہ: ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، میری کیوں نہیں؟ بلاشبہ اس سرزمین پر سب سے پہلا خون اور سب سے پہلے فساد کی وجہ اور سبب ''حسد'' بنا۔

محمد ﷺ ......ایک گدھے پر سوار تھے، آپ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے ساتھ سوار کرلیا، ایک مجلس کے پاس سے گذر رہوا جس میں مسلمین، مشرکین، کفار اور یہود و نصاریٰ سب لوگ شریک تھے، عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا اور عبداللہ بن رواحہؓ بھی۔ جب آپ ﷺ کی سواری قریب آئی تو مجلس کو گرد نے ڈھانپ لیا، حضرت عبداللہؓ نے اپنی چادر سے ناک چھپائی اور فرمایا: ہم پر گرد نہ پھیلاؤ۔ کہ......نبی ﷺ نے ان لوگوں کو سلام کیا، ان کے پاس کھڑے ہوئے، ان کے لئے دعاء کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ابن سلول نے یاوہ گوئی کی: اے صاحب! ہماری مجلس میں ہمیں تکلیف نہ دیں، جائیں اپنی سواری پر جائیں، ہاں ہاں! اگر ہم میں سے کوئی شخص آپ کے پاس جاتا ہے تو اسے قصے کہانیاں سنائیں، لیکن یہاں پر ہماری مجلس برباد نہ کریں۔

عبداللہ بن رواحہؓ بول پڑے: نہیں! بلکہ آپ ہماری مجلس میں رہیں، ہم آپ کی شرکت پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان، مشرکین اور یہود نے آپس میں لڑائی شروع کردی، قریب تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ کردیتے۔ اِدھر رسول کریم ﷺ انھیں نرم کرتے رہے، وہ لوگ خاموش ہوئے۔ پھر آپ اپنی سواری پر تشریف لائے اور سعد بن معاذؓ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا: تم نے سنا جو ابن ابی نے کہا؟ سعدؓ نے عرض: اے اللہ کے پیغمبر! اسے معاف کردیں، اللہ نے آپ پر بہت انعامات فرمائے ہیں۔ دراصل اس سے آپ پر اللہ کے انعامات اور نوازشات دیکھے نہیں جاتے، وہ حسد کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ پس آپ ﷺ نے اسے معاف فرمادیا۔ (بخاری: 4566)

اس منافق کو انقیاد للحق اور اسلام للہ رب العالمین سے روکنے والی چیز حسد اور کینہ تھی، اسی حسد کی وجہ سے اس نے سب سے بڑے جرم یعنی **کفر باللہ والصد عن آیات اللہ ورسول اللہ** (اللہ کی نشانیوں اور اُسکے رسول سے روکنے) کا ارتکاب کیا۔ **وما أدى به ذلک الا الحسد.**

ہویٰ (خواہشاتِ نفسانی کی پیروی)

نفسانی خواہشات۔ خطاؤں کے ارتکاب، لغزشوں اور راہِ حق سے پھسلنے کی ایک بڑی وجہ اور سبب ''ہویٰ'' یعنی نفس پرستی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔

قرآن کریم نے جا بجا نفسانی خواہشات کی پیروی سے ڈرایا اور دھمکایا ہے نفس کے غلاموں کو اشر الخلق کہا ہے، سنت نبویہ میں صراحتاً اس سے روکا گیا ہے، عقلاء اور حکماء نے اس سے نفرت کا اظہار کیا ہے، یہ انسان کو اونچے درجہ سے گرا کر اندھا بنادیتی ہے، سماعِ حق سے بہرا اور امور خیر میں دلچسپی لینے سے روک دیتی ہے۔ نفسانی خواہشات کا متبع (پیروی کرنے والا) پے در پے خطاؤں، معصیات اور نقصانات میں پڑتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ''ہویٰ'' کہتے کسے ہیں؟ **میلان النفس الی ما تستلذه من الشهوات من غير داعية الشرع.** (نفس کا ایسی مرغوب چیزوں کی جانب میلان جو غیر شرعی ہوں) یا یوں کہہ لیں: ہر وہ چیز جو حق نہ ہو اور نفس کو اس میں رغبت ہو، خواہ اس چیز کا تعلق کرنے سے ہو، دیکھنے، سننے یا کسی اور چیز سے۔ صاحبِ ہویٰ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ہر لحظہ اسی میں ڈوبا رہتا ہے، بات کرے تو ہویٰ، خاموش رہے تو ہویٰ، کچھ کام کرے تو ہویٰ اور کچھ نہ کرے تو بھی ہویٰ۔

سچ جانیں کہ گمراہی اور بقیہ تمام مہلکات میں پڑنے کی سب سے بڑی وجہ اور سب سے بڑا سبب خواہشات نفسانی ہی کی اتباع ہے۔ہویٰ کے معنی آتے ہیں: گرنا۔ہویٰ کو ہویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ صاحبِ ہویٰ دوزخ کی آگ میں گرنے لگتا ہے۔قرآن کریم میں جس جگہ بھی ہویٰ کا ذکر ہے، وہ اس کی مذمت اور برائی کے ساتھ ہی ہے۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے کیا خوب فرمایا ہے: **افضل الجهاد جهاد الهوىٰ.** (بہترین جہاد، نفس کے خلاف ہے۔) کہا جاتا ہے کہ: ہشام بن عبدالملک نے پوری زندگی میں صرف ایک شعر کہا ہے:

اِذا انت لم تعص الهوىٰ ،قادك

الهوىٰ الىٰ بعض ما فيه عليك مقال

(اگر تم نے اپنی نفسانی خواہشات سے روگردانی نہ کی تو یہ تمہارے لیے طعن و تشنیع کا باعث بنے گی۔)

حضرت ابوداوٗد سجستانیؒ نے اپنی سنن میں باب باندھا: **باب في الهوى: فعن ابى الدرداءؓ عن رسول الله ﷺ انه قال: حبك الشئ يعمى و يصم** (5132) (حضرت ابودرداءؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

غصہ

غلطیوں کے صدور کا عظیم سبب۔ارتکاب خطاء کا بڑا داعی۔اس غصہ کی وجہ سے ایسی بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں، جن کا خیال بھی آنا ناممکن لگتا ہے، غصہ والا انسان اس کی وجہ سے ہزار کلفتوں کا سامنا کرتا ہے۔میں اگر غور کروں کہ انسانی غلطیوں میں اکثر کی وجوہات کیا ہیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہونچوں کہ: ان میں سے بیشتر اسی غصہ کا نتیجہ ہیں۔غصہ + غصہ = پریشانی۔

غصہ درحقیقت ایک انگارہ ہے جسے شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے جس کی وجہ کر انسان کا دماغ کھولنے لگتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔یہ غصہ بھی دو طرح کے ہیں:

(1) ممدوح: یہ غصہ مطلوب اور پسندیدہ ہے، یعنی ایسا غصہ جو اللہ، رسول اللہ اور دین کے لئے ہو، یا عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کے لئے۔یہ غصہ بُرا نہیں، بلکہ اچھا ہے اور یقیناً ایسا غصہ کرنا چاہئے۔اللہ و رسول اللہ کے لئے اور شریعت کے لئے غصہ کرنا پسندیدہ ہے، یہ نبی ﷺ کا طریقہ، انسان کی غیرت اور اقامت شریعت کی محبت کی علامت ہے۔

لیکن نفس کے لئے نہیں۔ تو پھر....؟ اللہ کے لئے۔کیسے.....؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے کبھی نہ دیکھا کہ: نبی ﷺ نے کسی خادم کو مارا ہو، یا اپنی کسی بیوی کو، بلکہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا۔ہاں یہ کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں۔نہ ہی آپ نے کبھی کسی سے انتقام لیا، ہاں! مگر اللہ کے لئے۔

اللہ کے لئے غصہ کیسے؟ حضرت عائشہؓ سے وضاحت لیں: نبی ﷺ ایک بار

سفر سے لوٹے تو میں نے آپ کے لئے تکئے لگائے تھے جس میں تصویریں تھی، نبی ﷺ نے اسے دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا: **اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاھون بخلق الله.** قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب میں مبتلا وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی مخلوق کی مشابہات بناتے ہیں۔(بخاری:5954)

نبی ﷺ نے اللہ کے حدود کی پامالی دیکھ کر غصہ فرمایا، جو اللہ سے محبت کی نشانی ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ: ایک مخزومیہ خاتون سے چوری کا فعل صادر ہوگیا، لوگوں نے آپس میں بات کی کہ نبی ﷺ سے بات چیت کر کے معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت اسامہ بن زیدؓ سے زیادہ کسے ہوگی؟ حضرت اسامہؓ نے آپ ﷺ سے بات کی (کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے) یہ سنتے ہی نبی ﷺ کا چہرہ ایسے سرخ ہوگیا جیسے کسی نے اس پر انار کا رس نچوڑ دیا ہو: اسامہ! اللہ کے حدود میں سفارش کرنے کی جرأت؟ تمہاری یہ جرأت....؟

پھر رسول کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا: تم میں سے پہلی امتیں اس لئے برباد و ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کے شرفاء چوری کرتے تھے تو وہ لوگ اسے چھوڑ دیتے (حد جاری نہ کرتے) اور جب کمزور وضعیف شخص ایسا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدائے پاک کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد (ﷺ) نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔(بخاری:3475)

جب اسامہؓ نے خلاف شرع ایک بات کہی تو نبی ﷺ نے غصہ کیا، یہ غصہ اللہ کے لئے تھا، اور ایسا غصہ محمود اور قابل تعریف ہے۔

(2) غضب مذموم: جو محض نفس کے لئے ہو، اللہ و رسول اور شریعت کے لئے

نہ ہو، ایسا غصہ بُری چیز ہے، یہ غصہ انسان کی شخصیت، اس کی عقل اور حواس پر بُرا اثر کرتی ہے، اور اس کے عواقب وانجام بھی نہایت بُرے ہوتے ہیں۔

اسی غصہ میں تو آدمی کہہ دیتا ہے: جاؤ تمہیں تینوں طلاقیں۔ یہی غصہ ہے جب آدمی کی زبان سے کلمۂ کفر تک نکل جاتا ہے۔ غصہ آیا، گلدان اٹھا کر نیچے پٹخ دیا: مال کا نقصان۔ غصہ آیا، بیوی پر کوئی چیز دے ماری: عیال کا نقصان۔ غصہ میں عقلمند انسان بھی اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہے اور اس سے ایسے کام سرزد ہوجاتے ہیں جن کی توقع تک نہیں رہتی۔ اس کا انجام لامحالہ بُرا ہے، اور کبھی تو ایسا نقصان جس کا ازالہ اور استدراک ممکن نہیں ہوتا۔ دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی۔

یارسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیں: آپ ﷺ نے فرمایا: **لا تغضب**. ہمیشہ غصہ کرنے سے بچو۔ یا رسول اللہ! اور کوئی وصیت فرمائیں۔ فرمایا: غصہ سے بچو۔ اس شخص نے کئی بار یہی درخواست کی اور آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا: غصہ سے بچو۔(بخاری:6116)

ہم سمجھتے ہیں کہ غصہ ہماری بہادری اور قوت کی پہچان ہے، ہماری شخصیت کے لئے کشش ہے، غصہ کرنے سے لوگ ہمیں بڑا سمجھیں گے۔ نہیں جناب! فرمان رسول ہے: **لیس الشدید بالصرعة، انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب**. (بخاری: 6114) آدمی کسی کو پچھاڑ دینے اور کشتی جیت جانے کی وجہ سے مضبوط اور پہلوان نہیں بنتا، اصل پہلوانی اور طاقت تو یہ ہے کہ بندہ غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھ لے۔

حضرت علیؓ نے جنگ میں کسی شخص کو پچھاڑ دیا اور خنجر لئے اس کے سینہ پر سوار ہوگئے اور خنجر اٹھایا کہ خس کم جہاں پاک کریں، اس شخص نے آپ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا، آپ نے نظر نیچی کی، خنجر ہٹایا اور اس کے سینہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ شخص حیرت

واستعجاب میں: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جب کہ آپ نے مجھ پر قدرت پالی تھی؟ آپؑ نے جواب دیا اور کیا ہی خوب: جب میں نے تمہارے سینہ پر سوار ہو کر تمہیں قتل کرنے کے لئے خنجر کھینچی اس وقت میرا غصہ اور میرا عمل خالص اللہ کے لئے تھا، لیکن .... جب تم نے میرے چہرہ پر تھوک دیا تو اس غصہ میں میرے نفس کے غصہ کا بھی شامل ہو گیا، اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے نفس کی خاطر تجھے قتل کروں۔ نتیجہ کیا ہوا....؟ یہ اعلیٰ ظرفی اس کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب بن گئی۔

آدمی غصہ کرتا کیوں ہے؟

آپ نے کسی سے کسی چیز کی توقع رکھی، وہ آپ کے توقع اور آپ کی امید پر پورا نہیں اُترا۔ آپ نے غصہ کر دیا۔ اِس وقت نبی ﷺ کا فرمان ہے: **لا تغضب.** کنٹرول کریں، خود کو قابو میں رکھیں، یہ غصہ آپ کا خون جلا رہا ہے۔

کسی کے رفقاء اور مصاحبین ہی ایسے ہیں جنھیں اچھے بُرے کی تمیز نہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ غصہ کرنا مردانگی، بہادری اور رجولت ہے، وہ ظلم کو مردانگی سمجھ بیٹھے ہیں۔ جب کہ غصہ کو پی جانا اصل بہادری ہے، غصہ کو پی جانا اور خود کو قابو میں رکھ لینا ہی اصل بہادری ہے، آپ نے تو پڑھ بھی لیا: **لیس الشدید بالصرعة، انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب.** کسی کو پچھاڑ دینے والا طاقتور نہیں، (اصل) طاقتور تو وہ ہے جو غصّے میں خود پر قابو پالے۔)

غصہ اس لئے بھی آتا ہے کہ آپ کو کسی شخص نے خبر دی کہ: فلاں آپ کے بارے میں ایسا ایسا کہہ رہا تھا، آپ نے جیسے ہی یہ بات سنی، نہ اس کی تحقیق کی نہ تفتیش، نہ کچھ سوچا، بس بھڑک گئے اور شروع ہو گئے: وہ...... دو کوڑی کا انسان؟ مجھے.... مجھے ایسا کہے گا، میں اس کی خبر لیتا ہوں۔

ابھی آپ نے تحقیق و تفتیش بھی نہ کی اور پہلے ہی جامہ سے باہر آ گئے، کیا آپ

نے سوچا کہ آپ کو اس بات کی خبر دینے والا کون ہے؟ اجی ہاں! آپ غور تو کریں آپ کو جس شخص نے یہ خبر دی وہ اچھے اخلاق کا نہیں۔

کیا......؟ ہاں واقعی! جس نے آپ کو اِس واقعہ کی خبر دی ہے اس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں۔ کیسے....؟

کیوں کہ اس نے آپ کے سامنے دوسرے کی غیبت کی کہ فلاں نے تمہیں ایسا ایسا کہا ہے۔ اگر واقعی فلاں نے آپ کے بارے میں کچھ کہا ہے تو یہ شخص اس کہنے والے کی غیبت کر رہا ہے۔ اور اگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور یہ خود اپنے دل سے کسی کی طرف اِسے منسوب کر رہا ہے تو اس نے دوسرے بہتان لگایا۔ دونوں حالتوں میں اس شخص کی اخلاقی حالت قابلِ اعتبار نہیں۔

تو کیا ایسا شخص بھروسہ کے لائق ہو سکتا ہے کہ جس کی باتوں کا اعتبار کر کے اپنی طاقت وقوت، اپنا خون اور اپنا دماغ برباد کیا جائے؟ تو.....؟

تو یہی کہ: یا تو معاملہ کی تحقیق کریں۔ لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟ چھوڑیئے بھی! اگر کسی نے آپ کے بارے میں کچھ ایسا کہا جو واقعی آپ کے اندر ہے تو اس کی اصلاح کر لیں، کیوں آپ نے اپنی دیوار میں سوراخ رکھا ہے کہ کوئی جھانک سکے؟ اور اگر آپ میں یہ بات نہیں تو کہنے دیں، کسی کے کہنے یا نہ کہنے سے آپ پر کیا فرق پڑتا ہے، کیا آپ کی شخصیت کسی کے سند کی محتاج ہے؟ پھر آپ یہ موقع دیتے ہی کیوں ہیں کہ کوئی آپ کے پاس آ کر کسی کی شکایت کرے؟

لیکن.... میں غصہ کے وقت خود کو قابو میں کیسے رکھوں؟

﴿**وإما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ۔**﴾ (اعراف:۲۰۰): اگر اُبھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ، پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا، جاننے والا۔

آپ ''**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**'' پڑھنے لگیں۔ یا پھر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ''غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، چنانچہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے''۔(مسند احمد:18014)

یا اگر وضو کے لئے نہیں جاسکتے تو اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کریں: **اذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس....الخ**. جب کسی شخص کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے بیٹھ جانا چاہئے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔(ابوداؤ:4784)

یا غصہ کے وقت خاموشی اختیار کریں، اگرچہ طبیعت پر بہت بوجھ ہو رہا ہو، پھر بھی....منہ کو مضبوطی سے بند رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کلمہ یا جملہ زبان سے نکل جائے اور اس کا انجام ہولناکی ہو۔ نبی ﷺ کی رہنمائی دیکھیں: **اذا غضب احدكم فليسكت.(مسند طيالسی: 2730)** تم میں سے کسی کو غصّہ آئے تو خاموش رہے۔)

غصہ بڑی بڑی غلطیوں کے ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے، غصہ کی خطرناکی کی آخری حد اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات غصہ میں انسان کا ایمان چلا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے سامنے دو لوگ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے، اسے چاہئے کہ :اعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھ لے۔ کسی شخص نے اُسے یہ جاکر خبر دی، وہ غصہ میں تھا، کہہ دیا: کیا میں پاگل ہوگیا ہوں؟ (بخاری:6115)

العیاذ باللہ! اِس شخص کے غصہ نے اسے اس انجام تک پہونچادیا کہ اس نے غصہ میں نبی ﷺ کی بات ٹھکرادی، اس سے بڑی بُری اور کیا بات ہوسکتی ہے؟ اس لئے تو کہا جاتا ہے کہ غصہ انسان کو حدِ اعتدال سے باہر کھینچ لاتا ہے اور ایسے مقام پر

پہونچا دیتا ہے جہاں وہ باطل اور بُری باتیں، مذموم کام اور دشمنی وحسد کرنے لگتا ہے۔

بنی اسرائیل میں دو شخص تھے، ایک بہت عبادت گذار اور دوسرا بہت بڑا گنہ گار......یہ عبادت گذار آدمی دوسرے گنہ گار شخص کو روزانہ برائی کرتے ہوئے دیکھتا تھا اور کہتا تھا: بس کرو، باز آجاؤ۔ لیکن اُس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔

ایک دن.....گنہ گار شخص کسی غلط کام میں تھا کہ عابد نے اسے آکر کہا: باز آجاؤ۔ اِس نے جواب دیا: مجھے چھوڑ دو، یہ میرے اور میرے رب کا معاملہ ہے، کیا تم میرے ذمہ دار ہو؟ یہ سن کر......عابد کو غصہ آیا اور اس نے کہہ دیا: خدا کی قسم! اللہ تمہاری بخشش نہیں کرے گا (یا تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا)

دونوں کے مرنے کے بعد.....اللہ تعالیٰ کے سامنے دونوں کی پیشی ہوئی۔ اللہ نے اِس عابد سے کہا: کیا تم میرے فیصلہ سے واقف تھے؟ یا تمہیں مجھ پر قدرت تھی کہ تم اپنی مرضی کے فیصلے کرواسکو؟ پھر اِس گنہ گار شخص سے فرمایا: جاؤ اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اور اس عابد کے بارے میں حکم دیا: جاؤ اسے جہنم میں لے جا پھینکو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! اس عابد شخص نے صرف ایک بات کہی، صرف ایک جملہ....غصہ میں ایک جملہ...جس نے اس کی عاقبت برباد کردی۔(ابوداوٴد:4903)

عابد کا غصہ تو درحقیقت اللہ کے لئے ہی تھا، لیکن اس نے غصہ میں جو بات کہی، اُسے اِس کی خبر نہیں تھی، اللہ کے بارے میں ایسی بات کہہ دی جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی لئے اس کا ٹھکانہ جہنم بنا۔

غلطی اور غلطی کرنے والے کی اصلاح کیسے ہو؟

اخلاص

لست علیهم بمُسیطر . آپ کو کسی پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا ہے،آپ اگر کسی کی غلطی کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے دل صاف کریں،آپ کی نیت پاک ہو،اللہ کی خوشنودی اور رضاء مقصود ہو،تعلّی وتشفی نہیں۔**وما أُمروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین.** (البینه: 2)ان لوگوں کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھیں۔

امام بخاری نے اپنی ''**الجامع الصحیح** '' کا آغاز کیا ہے:**انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری ما نوی،فمن کانت هجرته الی الله ورسوله،فهجرته الی الله ورسوله،ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه.**

اَعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے،اور ہر شخص کو نیّت کے مطابق اجر ملتا ہے،اگر کسی نے اللہ اور اس کی رسول کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے،اور جس نے دنیا کو پانے یا کسی عورت سے نِکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے۔)

اس لئے سب سے اہم اور سب سے پہلی ذمہ داری آپ پر اور آپ سے پہلے

مجھ پر.....یہ عائد ہوتی ہے کہ ہمارا دل ریا اور اس کے شائبہ سے بھی پاک اور اخلاص سے پُر ہو۔میں لرز رہا ہوں کہ میں نے مخدوم الملوک حضرت شرف الدین احمد یحیٰی المنیر یؒ کے مکتوبات کے اندر ''**دقائق الریا والشهوة الخفیه**'' کے ضمن میں حدیث بالمعنی دیکھی ہے:''ڈرنے کی سب سے بڑی چیز جس سے میں اپنے امت کے لئے ڈرتا ہوں،وہ ریاء و پندار کی پنہاں خواہشیں ہیں،جو اس درجہ چھپی ہوئی ہیں،جیسے کالی رات میں کالے پتھر پر کالی چیونٹی رینگتی ہے''۔

حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ:بنی اسرائیل میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا،آپ سے حدیثیں سن کر جاتا اور لوگوں میں اس طرح بیان کرتا تھا:**حدثنی موسی رسول الله،کلمنی موسیٰ کلیم الله،اخبرنی موسیٰ نبی الله.** اور اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے عزت اور بڑائی ہو۔

ایک زمانے تک وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہوا،آپ نے اسے تلاش بھی کروایا،لیکن کوئی خبر نہیں۔ایک دن حضرت موسیٰ کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنے ہاتھ میں رسی کا ایک سِرا پکڑا ہوا تھا اور اس سے ایک خنزیر بندھا ہوا تھا،حضرت موسیٰؑ حیران ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟قبل اس کے کہ آپؑ کچھ دریافت فرماتے ،اس نو وارد نے عرض کیا:اللہ کے نبی!آپ کے پاس پہلے ایک شخص آیا کرتا تھا،جو آپ سے حدیثیں سن کر لوگوں میں بیان کرتا تھا؟ آپؑ نے جواب دیا:ہاں ضرور!لیکن بہت دنوں سے اس کی کچھ خبر نہیں۔اس شخص نے عرض کیا:اللہ کے رسول!یہ خنزیر وہی آدمی ہے،اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی غلط نیت کی وجہ سے اس انجام تک پہونچایا ہے،اس کی نیت یہ ہوتی تھی کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں،بہت بڑا محدث جانیں۔

جو بھی شخص کسی کی غلطی پر تنبیہ کرنا چاہے، کسی کی اصلاح کا قصد کرے، وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کرلے، اگر نیت درست اور صحیح ہوگی تو نصیحت مؤثر ہوگی، اس کا اجر بھی ملے گا اور اسے شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔ اسی لئے تو حضرت عمرؓ فرما گئے: **فمن خلُصت نیته فی الحق، ولو کان علی نفسه، کفاه الله ما بینه وبین الناس، ومن تزین لهم بما لیس فیه من قلبه، شانَه اللهُ، فان الله تبارک و تعالیٰ لا یقبل من العبادة الا ما کان له خالصا، وما ظنک بثواب غیر الله فی عاجل رزقه وخزائن رحمته؟**

جس شخص کی نیّت حق کے لیے خالص ہوگئی، اگرچہ اُس کے نفس کے خلاف ہے، تو اللہ اُس کے اور لوگوں کے درمیان اس کے معاملات کے لیے کافی ہوجاتا ہے، اور جو شخص لوگوں کے سامنے وہ اچھائی ظاہر کرتا ہے جو اُس کے دِل میں نہیں تو اللہ اس کو رسوا کر دیتا ہے۔ اللہ تو خالص عبادت ہی قبول کرتا ہے، بھلا کیا گمان ہے تمھارا، میسّر رزق میں اللہ کے علاوہ ثواب اور اُس کی رحمتوں کے خزانوں کے متعلق؟

غلطی انسان کی فطرت ہے

غلطی کرنا انسان کی لازمی فطرت ہے، جس سے کوئی شخص چھٹکارا نہیں پاسکتا، سوائے نبیوں کے، کہ وہ معصوم ہیں۔ اگر اِن معصومین کے علاوہ کوئی شخص غلطیوں سے بچ سکتا تو وہ صحابۂ کرام کی جماعت تھی، اللہ کے نزدیک ''ولایت اور محبوبیت'' کے لئے بھی یہ شرط نہیں کہ بندہ غلطیوں سے معصوم ہو اور غلطی کرتا ہی نہ ہو۔ نبی ﷺ کا فرمان ہمیں تمام لوگوں کی باتوں اور اقوال سے بے نیاز کردینے والا ہے، آپ نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ انسان کی جبلت اور فطرت ہی غلطی کرنا ہے، لیکن آپ نے اس سے رجوع کرنے اور لوٹنے کا طریقہ بھی بتایا: توبہ۔ **کل بنی آدم خطاء، وخیر الخطائیں التوابون.** (ترمذی: 2499)

اِس وقت جو شخص کسی غلطی کرنے والے کو راہِ راست دِکھانا چاہے اور اس کی غلطی کی اصلاح کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ وہی طریقہ اور اسلوب اپنائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو سکھایا۔

غلطی کا شرعی ثبوت

جب تک کسی کی غلطی واضح نہ ہو، اسے کچھ نہ کہیں، کیونکہ اس سے آپ کو شرمندگی اور خفت کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ ایک شخص دریا کے کنارے ایک عورت کو بازو میں لئے بیٹھا تھا، کسی شخص نے اسے دیکھا تو سوچا: بہت بے حیاء ہے، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی عباء سے ایک بوتل نکالی اور اس عورت کو پلایا۔ اِس نے سوچا: اوہ! یہ اُسے شراب پلا رہا ہے۔ وہ اصلاح کی غرض سے آگے گیا اور اسے کہا: تمہیں شرم نہیں آتی، پہلو میں عورت کو بٹھائے شراب پلا رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا: یہ میری ماں ہے، اس کی بیماری کا علاج سمندری ہوا ہے اور اسے پیاس لگ رہی تھی تو میں نے اسے پانی پلایا ہے۔

سوچیں کہ اُس اصلاح کرنے والے کو کتنی خفت اور شرمندگی اٹھانی پڑی ہوگی، اس لئے اصلاح سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ ہم جسے غلطی سمجھ رہے ہیں، وہ غلطی ہے بھی یا نہیں؟ اگر آپ ایسا کریں گے کہ غلطی کے ثبوت سے پہلے ہی اصلاح کے درپے ہوں تو اس کا مطلب یہ کہ آپ میں اخلاص کی کمی ہے۔

الأهمّ فالأهمّ

مصلح کو چاہئے کہ وہ پہلے اُن غلطیوں اور خطاؤں کی اصلاح کرے جو زیادہ خطرناک ہیں، جس کا ضرر اور نقصان زیادہ ہے، نبی ﷺ کا اسوہ یہی ہے، آپ ﷺ نے تیرہ سالوں تک شرک سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کی، مکہ میں صرف ایمان کی جانب بلاتے رہے، یقیناً اسلام بتدریج نازل ہوا ہے، اور اس کے احکامات بھی تدریجی ہیں، حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اِسے مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم سب سے پہلے عقائد کی اصلاح کریں، نبی ﷺ نے اسی تدرج کی وصیت اور تلقین فرمائی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے، اس وقت آپ نے ان سے ایسی بات فرمائی، جس میں سارے مبلغوں اور ناصحوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے: تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے، انھیں سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اِسے مان لیں تب..... انھیں یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب یہ بھی مان لیں تو..... اس کے بعد یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔ (عن ابن عباسؓ، بخاری: 1496)

سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا: یعنی سب سے پہلے عقیدہ کی درستگی۔ جب ایمان دل میں راسخ ہو جائے تب اعمال، اور اعمال میں بھی سب سے پہلے وہ عمل جو زیادہ مہتم بالشان ہو۔ **اِن اللبيب اذا بدا من جسمه مرضان مختلفان، داوى الأخطر.** سمجھدار آدمی کو جب دو مرض لاحق ہو جائیں تو زیادہ خطرناک کا علاج پہلے کرتا ہے۔)

سب سے پہلے اسے جو زیادہ اہم ہے، اس کے بعد جو زیادہ اہم اور پہلے سے کم درجہ ہے۔ یہ ترتیب شریعتِ محمدی کی ترتیب ہے۔ لیکن.... اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو چیزیں جزئیات وفروعیات کے قبیل سے ہیں ان سے منہ موڑ لیا جائے۔ ہرگز نہیں! منشاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اس پر دھیان دیا جائے جو زیادہ اہم ہے۔ توحید، فرائض، واجبات، ان کے بعد سنن و مستحبات کا نمبر ہے۔

نبی ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی اور اتفاق سے سورج اسی دن گرہن لگ گیا، کچھ لوگوں نے کہا: ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کی وفات پر گرہن لگا ہے۔ نبی ﷺ نے سنا تو فرمایا: بلاشبہ سورج اور چاند کسی کی موت وحیات پر گرہن نہیں لگتے، یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جب ایسا ہو تو نماز میں مشغول ہو جاؤ جب تک وہ صحیح نہ ہو جائے۔ (بخاری:1060)

حضرت ابو واقد لیثیؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ حنین کے لئے نکلے تو آپ کا گذر ایک بہت بڑے درخت کے پاس سے ہوا جسے "ذات انواط" کہا جاتا تھا، جس میں مشرکین ہر سال اپنے اسلحے اور ہتھیار لٹکایا کرتے اور وہاں ایک دن ٹھہرا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی کوئی "ذات انواط" مقرر فرما دیں۔ اللہ اکبر! یہ تو تم وہی بات کہہ رہے ہو جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: **اِجعل لنا الها كما لهم آلهة.** (ترجمہ: ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو جیسے اُن کا ہے۔) یقیناً تم لوگ اپنے پچھلوں کی روش پر چلو گے۔ (طبرانی 17392)

عن ہانی بن شریح: ایک وفد آنجناب ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا، سب لوگ ایک شخص کو "عبد الحجر" (پتھر کا بندہ) کہہ رہے تھے، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: تم عبد الحجر نہیں بلکہ عبد اللہ ہو۔ (ابن ابی شیبہ: 26421)

نبی ﷺ اسی طرح اپنے اصحاب کے دلوں سے شرک اور شائبہ شرک کو خارج فرماتے تھے اور اس کی جگہ ایمان راسخ کرنے کی کوشش فرماتے، تا آنکہ آپ نے ان کے دلوں سے شرک کے شائبہ تک کو نکال باہر کیا، جس کی وجہ کر ان کے دل صرف اور صرف اللہ میں لگے رہتے، اسی لئے تو اللہ نے مژدہ سنایا: **اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ.** (حجرات: ۳) یہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا) تو آپ بھی..... اُسی شخصیت کے نقش قدم پر چلیں اور "**الأهم فالأهم**.

اصلاح کرنے والی شخصیت کا اعتبار

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی بات قبول کی جاتی ہے اور بہتوں کی بات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہے، کیونکہ کسی کی شخصیت دوسرے کے نزدیک کسی خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور کسی کی نہیں۔ بیٹے کے نزدیک جو مرتبہ اور مقام باپ کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ شاگرد کے لئے استاد کی بات جو اہمیت رکھتی ہے، اتنی کسی اور کی نہیں۔ ظاہر ہے بڑا آدمی اور چھوٹا برابر نہیں ہوسکتا، کوئی اجنبی کسی کے لئے اس اہمیت کا حامل نہیں ہوسکتا جو کسی قریبی شخص کو حاصل ہے، رعایا کو بادشاہ کا رتبہ نہیں مل سکتا۔

یعنی ہر انسان کا اپنا اپنا الگ الگ مقام و مرتبہ ہے، اب کرنا یہ ہے کہ: نصیحت و اصلاح کرنے میں ان فرق مراتب کا خیال رکھا جائے، تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی بات قبول کئے جانے کے بجائے رد کر دی جائے اور ٹھکرا دی جائے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں: ایک بار نبی ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میں منہ کے بل لیٹا ہوا تھا، آپ نے مجھے پاؤں مبارک سے ٹھوکر ماری

اور فرمایا: یہ جہنمیوں کے سونے کا طریقہ ہے۔(ابن ماجہ:3724)

بات سمجھنے کی یہ ہے کہ عام لوگوں کو نصیحت کرنے یا تنبیہ کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ کوئی پیٹ کے بل سویا ہو تو آپ اسے ٹھوکر مار کر جگائیں، پھر یہ توقع کریں کہ وہ آپ کی بات قبول کرلے گا اور آپ کا شکریہ ادا کرے گا۔ نہیں! یہ تو نبی ﷺ تھے اور آپ نے اپنے خاص اصحاب کے ساتھ ایسا فرمایا۔ یہ طریقہ حضرت ابوذرؓ کی شان و حالت اور نبی ﷺ کی حیثیت وشخصیت اور ابوذرؓ کے نزدیک آپ کی عزت وعظمت کی وجہ سے عین مناسب تھا، لیکن اگر آپ بھی....اور وہ بھی عام لوگوں کے ساتھ ایسا کریں تو آپ کی بات رد کردی جائے گی، بلکہ آپ ملامت کے مستحق ہوں گے۔

آپ نے اس اعرابی والی حدیث تو پڑھی جس نے نماز میں ''یرحمک اللہ'' کہہ دیا تو نبی ﷺ نے نماز کے بعد کتنی نرمی سے سمجھایا: **ان هذه الصلاة لا يصلح فيها شئی من كلام الناس، انما هو التسبيح والتكبير وقرأة القرآن.**

اگر آپ ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہیں تو آپ خوار ہوجائیں گے، ہر ایک کے ساتھ اس کے حال وشان کے مطابق سلوک کریں۔ آپ نے کسی عالم سے کوئی بات کہی اور انداز ایسا اختیار کیا جیسے آپ کسی جاہل کو سمجھا رہے ہوں، تو آپ کی طرف سے اس کے دل میں کدورت آجائے گی۔ کسی جاہل وناواقف شخص کو نصیحت کی اور ایسے الفاظ وتعبیرات میں سمجھایا کہ آپ کی باتیں اس کے اوپر اوپر سے گذر گئیں۔ آپ بے اثر مانے جائیں گے۔

کسی جاہل نے کوئی غلطی کی، آپ نے سمجھانے میں نرمی ورفق کے بجائے شدت اختیار کرلی، یہ غیر مناسب ہے، اس سے بجائے یہ کہ آپ کی توقیر ہو، آپ کی توہین ہونے لگے گی، بے چارہ جاہل اور ناواقف شخص تو سمجھے گا کہ یہ مجھے ڈانٹ رہے ہیں، اس کے دل میں آپ کی شخصیت کا عکس انتہائی بُرا ہوگا، اس کے دل میں آپ کے

لئے نفرت اور عدم انقیاد آجائے گی: **ادع الی سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة.** ﴿ اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے (النحل:۱۲۵)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کچھ بھی غلط نہ کیا، میں نے تو صحیح کیا ہے، اس کی رعایت بھی کرنی ہوتی ہے: **جاء فی مسند الامام احمد رحمه الله عن المغيرةؓ بن شعبه ان رسول الله اكل طعاما، ثم اقيمت الصلاة، فقام، وقد كان توضأ قبل ذلك،** حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کوئی کھانے کی چیز کھائی، نماز کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نماز کو جانے لگے، میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا کہ آپ وضوء کرلیں، آپ نے مجھے یہ کہتے ہوئے جھڑک دیا: چلو ہٹو! بخدا مجھے بُرا لگا۔

نماز کے بعد میں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی کہ نبی ﷺ نے مجھے جھڑک دیا، انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مغیرہ کو آپ کا جھڑکنا شاق گذرا ہے، انھیں اندیشہ ہے کہ آپ کے دل میں ان کی جانب سے کوئی بات تو نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے دل میں اس کی جانب سے خیر اور بھلائی کے علاوہ کوئی چیز نہیں، لیکن... بات یہ ہے کہ یہ میرے پاس وضو کا پانی لے کر آئے تھے کہ میں وضو کروں، جب کہ میں نے کھانا کھایا تھا، اگر میں ایسا کرلیتا تو لوگ بھی میرے بعد ایسا کرنے لگ جاتے۔**(مسند الامام احمد)**

تنبیہ کرنے میں طرف داری نہیں

تنبیہ کرنے میں عدل ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، عدل یعنی اعتدال، اعتدال یعنی دل کی صفائی، یہ دل کی صفائی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی افراط و تفریط سے نکل کر میانہ روی اور اعتدال سے کام لے۔ ہر معاملہ میں ۔قرآن کریم میں بہت سی جگہ عدل کا حکم فرمایا گیا ہے: مفسر جلیل حضرت ابن عربیؒ سے منقول ہے: ''**ان اللہ یأمر بالعدل**'' (اللہ عدل کا حکم دیتا ہے) میں عدل کے تین درجات ہیں:

اللہ کے ساتھ عدل: کہ اس کی ذات وصفات، محبت ومودت اور کسی بھی چیز میں شریک نہ ٹھہرانا۔

اپنے نفس کے ساتھ عدل: اپنے ساتھ عدل؟ جی ہاں! خود کے ساتھ۔ آپ کی ذات دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: جسم اور روح۔

جسم کے ساتھ بھی عدل کہ اسے تکلیف و مشقت میں جان بوجھ کر نہ ڈالا جائے: **لا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ.** اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔) یہ آیت تو اسی ''نفس کے ساتھ'' کا پیغام سنا رہی ہے۔ حدیث رسول ہے: **من تردی من جبل فقتل نفسه فھو فی نار جھنم یتردی فیه خالدا مخلدا فیھا ابدا**، جس نے زہر پی کر اپنی جان لی، اس کا زہر اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا: لے اسے ہمیشہ ہمیش گھونٹتا رہ۔ جس نے کسی ہتھیار سے اپنی جان تلف کی اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا: لے اس سے خود کو کاٹتا رہے، ہمیشہ ہمیش۔ (بخاری: 5778) یہ حدیث بھی ''نفس کے ساتھ عدل'' کو بیان کر رہی ہے کہ اگر کسی نے اپنے ساتھ عدل کے بجائے ظلم کیا تو اُسے اُس کی سزا ملے گی۔

آپ کے اندر ایک چیز ہے روح: اس کے ساتھ بھی عدل، اس کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اِسے اس کی بیماریوں (جھوٹ، چغلی، بدگمانی، حسد وغیرہ) سے محفوظ رکھیں۔

تیسرا عدل ہے لوگوں کے ساتھ: یہ عدل ہے: **ان تکون للصغیر ابا، وان تکون للکبیر ابنا، ولمثلک اخا.** (خود سے چھوٹے کے لیے والد، بڑے کے لیے بیٹا اور ہم عمر کے لیے بھائی بن جاؤ)

تنبیہ کرنے میں عدل کیسے کریں؟ نبی ﷺ کے چہیتے اسامہؓ بن زیدؓ نے جب مخزومیہ کی سفارش کر کے غلطی کا ارتکاب کیا تو نبی ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے بہت سخت تنبیہ کی۔ اسامہؓ آپ کے چہیتے تھے، آپ انھیں مسکرا کر کہہ سکتے تھے: اسامہ! یہ اچھی بات نہیں۔ لیکن آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اسامہ! تمہاری یہ جرأت کہ تم اللہ کے حدود میں سفارش کرو؟

یہی ہیں حضرت اسامہؓ جنھوں نے دوران جنگ ایک شخص پر تلوار اٹھائی تو اس نے کہا: **لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ.** (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔) اسامہؓ نے سوچا کہ جان بچانے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے، آپ نے تلوار ماری اور گردن سر سے لڑھکا دی۔ نبی ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے پوچھا: اسامہ! تم نے کلمۂ شہادت کے بعد بھی اسے قتل کیا؟ میں نے جواب دیا: اللہ کے رسول! وہ تو محض جان بچانے کے لئے ایسا کر رہا تھا۔ اسامہ! کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کے بعد بھی قتل کر دیا؟ نبی ﷺ نے اتنی بار یہ جملہ فرمایا کہ مجھے تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا کہ مجھ سے یہ غلطی صادر نہ ہوئی تھی۔ (طبرانی: 14966)

یہاں بھی نبی ﷺ نے تنبیہ کرنے میں عدل کو ملحوظ رکھا۔ نبی ﷺ کا موقف

صاف کہہ رہا ہے کہ شریعت کے مقابلہ میں کسی شخصیت اور کسی ذات کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاسکتا، جو شریعت کے احکام سے روگردانی کرے اس کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا، خواہ وہ اسامہ بن زید حب رسول ہو، یا فاطمہؓ بنت محمد ﷺ دختر رسول۔

کسی نے ایک شخص کو نماز چھوڑتے ہوئے دیکھا، اسے بے حد تنبیہ کردی، لوگوں کے سامنے خفیف کردیا، گھر آئے، تو اس کا لڑکا نماز سے غائب ہے، اس نے کچھ بھی نہ کہا۔ یہ ظلم ہے: **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.** (تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی ماتحت چیز کے متعلق جواب دہ ہے)

ایک لڑکے نے میرے درخت سے کچھ پھل توڑ لئے تھے، میں کمزور تھا، اس کے والد سے شکایت کی کہ آپ کے لڑکے نے میرے پیڑ سے پھل توڑ لئے ہیں؟ ان کا جواب ملا: تمہارے پیڑ میں پھل ہی کتنے ہیں کہ میرا لڑکا ایسا کرے؟ یہ ظلم ہے۔

دو بچوں نے لڑائی کی، دونوں کے ماں باپ کے پاس مسئلہ گیا، اب ہر والدین اپنے بچوں کی طرف داری کرنے لگتے ہیں: میرا بچہ تو معصوم ہے۔ نہیں! تنبیہ کرنے میں عدل کریں، انصاف! آپ اپنے دائرۂ کار میں انصاف کریں گے تب آپ سے اوپر والے آپ پر انصاف کریں گے: **اعمالکم عمالکم.** (جیسے تمہارے اعمال اور کرتوت ہوں گے ویسے ہی تمہارے حکمران ہوں گے) ہم اپنے زیرنگیں رہنے والوں پر انصاف کرتے ہی نہیں اور خواہش یہ کہ: عمر بن عبد العزیزؒ سا حکمراں مل جائے **؟تلک امانیکم!**

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃٌ
ولکن عین السخط تبدی المساویا

یہ تنبیہ کسی بڑی غلطی کا سبب نہ بن جائے

شریعتِ اسلامیہ کا یہ قاعدہ بہت مشہور ہے کہ دو بُرائیوں میں سے چھوٹے کو اختیار کیا جائے، اور یہ عام لوگوں کے نزدیک بھی مسلم ہے (The less of two evils) (اھون البلیتین) اور کبھی کبھی تنبیہ واصلاح سے رُک جانا ہی مناسب ہوتا ہے کہ کہیں معاملہ آگے بڑھ کر بڑی خرابی نہ پیدا کردے۔

نبی ﷺ کو منافقین مدینہ کے کفر کا خوب خوب علم تھا، ان کی اذیتیں سہتے رہے لیکن آپ نے اُن لوگوں کے قتل کا حکم نہیں فرمایا، کہ کہیں یہ نہ کہا جانے لگے کہ: محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہے۔

اگر آپ انھیں قتل کروادیتے تو یہ منافقین کی حالت اور ان کے شر و فتن کے مقابلہ میں صحیح فیصلہ ہوتا، لیکن اس سے دوسرے اجنبی لوگوں پر بُرا اثر پڑتا اور اسلام کے پھیلنے میں پہلی سی تیزی نہ ہوتی، لوگوں کے دلوں میں اندیشہ اور خوف رہتا کہ یہاں تو اپنے ہی لوگوں کا قتل ہوتا ہے، اس وجہ سے نبی ﷺ نے بڑے نقصان کے بجائے چھوٹے نقصان کو قبول کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ہم کسی جنگ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، کہ کسی انصاری اور مہاجر کے مابین نزاع ہوگیا، انصاری نے آواز دی: **یا للانصار!** اور مہاجری نے: یاللمہاجرین! نبی ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیسی جہالت کی باتیں ہیں؟ آپ نے معاملہ رفع دفع کردیا۔

اِدھر منافق ابن سلول کو واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے کہا: **واللہ لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل.** جب لوگوں کو ابن سلول کے اس قول کی خبر ملی تو حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے اجازت مانگی: اللہ کے پیغمبر! مجھے اس منافق سے

زمین پاک کرنے دیں! آپ نے فرمایا: جانے دو۔ (بخاری: 3518)

ابن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی بن ابی سلول حاضر خدمت ہوکر فرمانے لگے: یارسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ ایسا کرنے ہی والے ہیں، تو مجھے حکم فرمائیں، میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کروں، خدا کی قسم! خزرج کا ہر شخص جانتا ہے کہ میں اپنے باپ کا سب سے فرماں بردار ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے باپ کو میرے سوا کوئی اور شخص قتل کرے، پھر میں اسے دیکھوں کہ عبداللہ کے باپ کا قاتل زندہ چل پھر رہا ہے اور میں غیرت میں اسے قتل کردوں۔ اس کی وجہ سے تو میں ایک کافر کے بدلہ میں ایک مؤمن کا قاتل بن کر دوزخی بن جاؤں گا۔ نبیﷺ نے فرمایا: نہیں عبداللہ! ہم اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے، جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے، ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

یعنی جہاں دو طرح کے نقصانات ہوسکتے ہیں تو چھوٹے نقصان کو برداشت کریں، ایسا نہیں کہ چھوٹے کو دور کرنے کی کوشش میں بڑا نقصان سر پڑ جائے۔

یک نہ شد، دو شد۔

فتح مکہ کے بعد.... نبیﷺ کی خواہش تھی کہ خانۂ کعبہ کی از سرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر تعمیر کریں، لیکن قریش کے اسلام کا زمانہ نیا تھا، آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں ان کی عقلیں اس تبدیلی کو برداشت نہ کرسکیں اور معاملہ کچھ گمبھیر ہوجائے، سو آپ نے اسے ویسا ہی چھوڑ دیا۔

عن عائشہ ان الرسولﷺ قال: الم تری ان قومکِ لما بنوا الکعبة اقتصروا عن قواعد ابراهیم. فقلت: یارسول الله! ألا تردها علی قواعد ابراهیم؟ قال: لو لا حِدثانُ قومکَ بالکفر، لفعلتُ. (مؤطا: 807)

ایک شخص راستہ میں گانا بجا رہا تھا، آپ نے موقع کی نزاکت محسوس ہی نہیں کی اور اسے ڈانٹ دیا: بدتمیز! شرم نہیں آتی؟ نماز کا وقت ہو رہا ہے اور تم یوں سڑک پر ....؟ اس نے بجائے یہ کہ گانا بند کرتا، اور آواز بڑھادی۔

اس لئے..... موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے اصلاح و تنبیہ عمل میں لائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی اصلاح بڑے خطرے کا سبب بن جائے۔

میرا ایک دوست اپنے کسی رفیق کے گھر مہمان بنا، وہ مسافر تھا اور شاید اس کے ساتھ کوئی مجبوری بھی تھی، اس نے عشاء کی نماز گھر ہی پر اداء کرلی۔ نماز کے بعد میزبان دوست کے والد گھر آئے اور اس مہمان سے پوچھا: تم نے نماز پڑھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! کہاں پڑھی: اس مہمان کو بہت بُرا لگا کہ یہ میرے اوپر داروغہ یا وکیل وذمہ دار تو مقرر نہیں کئے گئے، میں تو اس کے گھر مہمان ہوں، یہ اس انداز سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ اس نے خود پر جبر کرکے جواب دیا: یہیں گھر میں ۔میزبان کے والد نے غصہ میں آنکھیں لال پیلی کرلی: جھوٹے! بُرا ہوگا، انجام تم لوگوں کا بہت بُرا ہوگا، ہر جگہ ذلیل ہوؤ گے۔

حیرت کی بات ہے، آپ کو رب کعبہ کی قسم! کیا اس طرح.... اس طرح بھی تنبیہ کی جاتی ہے؟ حیرت ناک امر یہ ہے کہ: جو تنبیہ کررہے تھے، کل تک ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اور جسے وہ ڈپٹ رہے تھے وہ ایک جید عالم دین۔ اور انجام یہ ہوا کہ مہمان مکرم کے تعلقات اُن کے لڑکے سے بُرے ہوگئے، دل میں کدورت آگئی۔

اسی لئے..... کہ کہیں چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑ کر بڑا نقصان نہ ہوجائے؛ اللہ رب العزت نے حکم فرمایا: **ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم.** (الانعام: 108) تم ان کے معبودوں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ اللہ کو گالی دیں گے بغیر علم کے۔

اس لئے فقہاء کرام نے اس آیت سے مسئلہ کا استنباط فرمایا ہے کہ: اگر آپ نے کچھ لوگوں کو شطرنج کھیلتے ہوئے دیکھا، اور منع کرنا چاہ رہے ہیں، لیکن اندیشہ ہے کہ منع کرنے سے وہ شریعت کا مذاق واستہزاء بنا دیں گے تو اس وقت خاموشی ہی بہترین شئ ہے، کیونکہ شطرنج کھیلنا، دین کا مذاق بنانے کے مقابلہ میں کم درجہ خطرناک ہے۔

ایک شخص جاسوسی ناول پڑھ رہا ہے، آپ اسے اس طرح منع کریں کہ وہ اِسے چھوڑ کر دینی تاریخ اور صحابہ کے معرکات کا مطالعہ کرے، لیکن .....اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو خاموش ہی رہیں، مبادا وہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے فحش اور جادو ٹونا کی کتابیں نہ پڑھنے لگے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب ہے کہ: ایک بار وہ کچھ ساتھیوں کے پاس تاتاریوں کے پاس سے گذرے جو شراب پی رہے تھے، ان کے ساتھی نے اُن تاتاریوں کو شراب پینے سے منع کیا۔ شیخ الاسلامؒ نے اُس منع کرنے والے کو روک کر کہا: اِسے مت روکو، مت روکو۔ کیونکہ اللہ نے شراب کو اس لئے حرام کیا ہے کہ یہ آدمی کو اللہ کے ذکر اور نماز وعبادات سے روک دیتی ہے، لیکن ......ان لوگوں کو شراب نے مسلمانوں کے قتل اور لوٹ مار سے روک رکھا ہے، لہٰذا انھیں منع نہ کرو۔ (کیونکہ ابھی تو یہ صرف شراب پینے میں مصروف ہیں، اگر ان کا یہ نشہ اترا تو اس سے بڑا نشہ چڑھ جائے گا کہ مسلمانوں پر ظلم کریں گے، قتل وغارت اور فساد)

اسی لئے شریعت اسلام نے جنگ کے دوران حد جاری کرنے سے منع کیا ہے: لا تقطعُ الایدی فی الغزو. (ترمذی: 1450) ممکن ہے کہ وہ حمیت و غضب کی وجہ سے کفار ومشرکین سے جا ملے۔ ابن قدامہؒ نے اس پر صحابہ اور پوری امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ: دشمنوں کے ملک میں مسلمان پر حد جاری نہ کی جائے۔

کیونکہ ممکن ہے اس حد جاری کرنے کی وجہ سے وہ شخص اس سے بھی بڑے معاملہ میں مبتلا ہو جائے، فرض کریں کسی نے چوری کی، حد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے، لیکن دارالحرب میں حد جاری کرنے کے بعد غصہ کی وجہ سے وہ مشرکین سے جا ملا، یعنی مرتد ہو گیا۔ تو....؟ اس کا چور رہنا مرتد ہونے کے مقابلہ میں کم درجہ خطرناک ہے۔ (یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد یا دارالاسلام لوٹ جانے کے بعد حد جاری کی جائے گی)

اِس لئے.....خاص طور پر دھیان میں رکھیں کہ تنبیہ اور اصلاح ایسے انداز اور ایسے موقع پر کی جائے جو حالات کے موافق ہوں، چھوٹی چیز کی اصلاح کی وجہ سے کہیں بڑی مصیبت میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔

غلطی کرنے والے کی طبیعت اور مزاج کا ادراک

بہت سی غلطیاں اور خطائیں ایسی ہوتی ہیں جن کا بالکلیہ اکھاڑ پھینکنا دشوار ہوتا ہے، البتہ اس میں کمی اور تخفیف کی جا سکتی ہے، اگر آپ اسے جڑ سے مٹانا چاہیں گے تو وہ اور بدنما اور خراب ہو جائے گی۔ فرض کریں: ناخن کاٹ رہے ہوں، اصل تو یہ ہے کہ جو ناخن گوشت سے آگے نکل رہے ہوں اسے کاٹ دیا جائے، اب آپ نے حد کی.....خوب اندر سے کاٹ دیا، تو ظاہر ہے تکلیف ہوگی۔

اسلام نے اس کی خوب خوب رعایت کی ہے کہ ہر ایک کے مزاج وطبیعت کے موافق تعامل و برتاؤ کیا جائے، حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ کے فرمان کے ناقل ہیں: عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، وہ سیدھی نہیں ہو سکتی، اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو ٹیڑھی ہی رہنے دو اور فائدہ اٹھاتے رہو، لیکن.....اگر تم نے اسے سیدھی کرنے کی کوشش کی تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اس کا ٹوٹنا طلاق دینا ہے۔

یعنی عورت کے ساتھ برتاؤ و معاملہ کرنے میں اس کی طبیعت کو ملحوظ رکھیں کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اس کے ساتھ معافی، اس کی کجی پر صبر اور اس کے مزاج کو برداشت کریں، تب ہی اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے، ورنہ اگر آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے دیا تو آپ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بات صرف عورت کی ہی نہیں، بلکہ ہر وہ شخص جس سے آپ برتاؤ و سلوک کر رہے ہیں، اس میں سامنے والے کی طبیعت و مزاج کو ملحوظ رکھیں۔

شرعی اور شخصی غلطیوں کے درمیان فرق کرنا

ہم مسلمانوں کے لئے ہمارا دین اور ہمارا مذہب یقیناً ہماری جان و مال اور اولاد سے زیادہ اہم اور قابل اعتناء ہے۔ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم جس قدر حفاظت خود کی کرتے ہیں، اس سے زیادہ اپنے دین کی کریں، ہم جتنا غصہ اپنے لئے کرتے ہیں اس سے زیادہ اپنے دین اور اپنی شریعت کے لئے کریں۔

آپ کو کسی نے گالی دے دی، بس طیش میں آ گئے۔ لیکن اللہ کے حدود کی پامالی کی جا رہی ہو، رسول اللہ کی توہین کی جا رہی ہو، آپ نے کہا: ہم اقلیت میں ہیں، یا ہمیں کیا مطلب؟ اللہ کے یہاں اسے جواب دہ ہونا ہے۔ وغیرہ۔ یعنی آپ نے دین کے معاملہ میں مساحت سے کام لیا، حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے: **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه**. اور یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ **وذالک اضعف الایمان**.

(مسلم:186)

ایک دیہاتی نبی ﷺ کے پاس آیا اور زور سے آپ کی چادر کھینچنی شروع کر دی، بہت زور سے ! اتنی زور سے کہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں : میں نے

آپ ﷺ کی گردن پر اس کھینچنے کا داغ دیکھ لیا۔ اللہ اکبر! پھر اس نے کہا: محمد! جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے، ہمیں بھی اس میں سے دیں۔ نبی ﷺ مسکرا پڑے اور اسے دینے کا حکم فرمایا۔

نبی ﷺ نے اپنی ذات کے لئے غصہ نہ فرمایا، بلکہ مسکرا کر ٹال دیا لیکن..... آپ کو یاد ہوگا جب حضرت اسامہؓ نے مخزومیہ کے لئے سفارش کی تو نبی ﷺ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا اور آپ نے سخت تنبیہ فرمائی۔

اسی لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے: نبی ﷺ نے کبھی کسی کو نہ مارا، نہ بُرا بھلا کہا، ہاں مگر.... اللہ کے حدود کی پامالی کی جاتی تو آپ نے اللہ کے لئے انتقام لیا ہے۔ (مسلم) تو آپ بھی اسی اسوہ کو ملحوظ رکھیں کہ نفس کے لئے جتنا غصہ کرتے ہیں اس کا امالہ کر کے شریعت کی جانب لے آئیں۔

کتنی اچھی بات ہے کہ شریعت اسلام کسی چیز کا ازالہ کرنے نہیں آئی بلکہ یہ تو صرف امالہ (اس کا محل اور اس جگہ ہٹانے کے لئے اور اشیاء کو اس کے مقام میں رکھنے کے لئے آئی ہے) جیسے قتل کرنا انسان کی صفت ہے، شریعت اس صفت کا ازالہ نہیں کرتی کہ قتل کیا ہی نہ جائے بلکہ اس کا مقام اور محل بدلتی ہے کہ اللہ کے راستہ میں دشمنوں کو قتل کیا جائے، جھوٹ بولنا، اس کا بھی ازالہ نہیں، بلکہ امالہ کہ دو بھائیوں میں صلح صفائی کے لئے اس کا استعمال ہو۔ اسی طرح غصہ کا بھی امالہ کیا جائے کہ نفس کے لئے غصہ کرنے کے بجائے اللہ کے لئے، رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کے لئے غصہ کیا جائے۔ یہی غصہ پسندیدہ ہے۔ بھلا سوچیں تو آخر اللہ تعالی نے انسان کے اندر غصہ ودیعت ہی کیوں کیا؟؟ تاکہ صحیح جگہ پر اس کا استعمال کیا جائے۔

چھوٹی اور بڑی غلطیوں کے درمیان فرق

شریعت نے جس طرح گناہوں کی تقسیم کی ہے: چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ ۔اسی طرح آپ کو بھی غلطی کرنے والوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ایک شخص شراب کی خرید وفروخت کررہا ہے،دوسرا شخص آتش بازی میں مصروف ہے۔دونوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا،اگر آپ نے دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا تو.......غیر مناسب ہوگا۔

ایک شخص کا ماضی نہایت تابناک ہے،اس نے پچھلے دنوں بہت نیک کام کئے ہیں،ابھی بھی اچھے کاموں میں رہتا ہے،لیکن اس سے کوئی غلطی ہورہی ہے۔

دوسرا شخص.....المسرف علی نفسه. گناہ کررہا ہےتو کررہا ہے۔آپ کو دونوں کے بیچ فرق کرنا ہوگا۔ایسا نہ ہو کہ دونوں کو تنبیہ اور دونوں کے اصلاح کا ایک ہی طریقہ اپنائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب حضرت عبیداللہ بن رافعؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ: نبی ﷺ نے مجھے اور میرے ساتھ زبیرؓ ومقدادؓ کو یہ کہہ کر روانہ کیا: جب تم روضہ خاخ میں پہنچو گے تو تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا،اس سے وہ خط لیتے آؤ۔جب ہم پہونچے اور اس سے خط مانگا تو اس نے انکار کردیا کہ میرے پاس کسی کا کوئی خط نہیں ہے۔پھر میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے بالوں کے گچھہ سے خط برآمد ہوا،ہم خط لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،وہ خط حضرت حاطبؓ بن ابو بلتعہ نے قریش کے نام لکھا تھا جس میں نبی ﷺ کے کچھ راز تھے۔

نبی ﷺ نے حاطبؓ کو بلا کر پوچھا: حاطب! یہ کیا....؟ انھوں نے کہا: اللہ کے

رسول! میرے معاملہ میں جلدی نہ کریں،قریش کے پاس میری کچھ مجبوریاں ہیں،مہاجرین مکہ کے تو مکہ میں اعزاء واقرباء ہیں،لیکن میرا وہاں کوئی نہیں،تو میں نے ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا چاہا جس سے میں ان کے شر سے محفوظ رہوں۔خدا کی قسم! اے اللہ کے پیغمبر! میں نہ مرتد ہوا ہوں نہ ہی میں اسلام لانے کے بعد کفر میں لوٹنے پر راضی ہوں۔حضرت عمرؓ بول پڑے: یارسول اللہ! اجازت دیں کہ اس منافق سے خاک پاک کردوں۔نبی ﷺ نے فرمایا: عمر! معلوم نہیں کہ یہ بدری ہیں،اور اہل بدر پر جھانک کر اللہ تعالی نے فرمادیا: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔(بخاری:141)

آپ ﷺ جان رہے تھے کہ حاطبؓ کا ماضی انتہائی تابناک اور روشن ہے،اس نے بدر میں صرف اللہ ورسول اللہ اور اسلام کے غلبہ کے لئے شرکت کی،اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں،لہذا آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور عفوو درگذر سے کام لیا۔

ایک شخص مسلسل نماز باجماعت میں شریک ہورہے ہیں،ایک دن اتفاق سے وہ غیر حاضر ہوگئے۔بس آپ شروع ہوگئے: تمہیں ہوش نہیں؟ نماز کا کوئی پاس ولحاظ نہیں؟ نہیں جناب! تنبیہ کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں،یہ اس کی عادت تو نہیں کہ آپ اسے اس انداز سے جھڑک رہے ہیں،یہ اتفاق کی بات ہے،آپ نرم مزاجی اختیار کریں۔حاشا وکلا! منشاء یہ نہیں کہ تنبیہ ہی چھوڑ دیں۔تنبیہ کریں لیکن........اس طرح:

نبی ﷺ حج کے لئے روانہ ہوئے،ساتھ میں ابوبکرؓ بھی،ان کے غلام نے اونٹ گُم کردیا،پس آپ نے غلام کو مارنا شروع کردیا،نبی ﷺ مسکرانے لگے اور فرمانے لگے: ارے اس مُحرِم کو دیکھو کیا کررہے ہیں؟ حضرت ابن ابی رِزمہؓ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں فرمایا۔(ابوداؤد:1820)

کیونکہ نبی ﷺ جان رہے تھے کہ ابوبکرؓ صاف دل کے آدمی ہیں، یہ غلطیوں میں پڑے نہیں رہتے، تو آپ نے ان کی تنبیہ نہایت نرم انداز میں فرمائی۔

ایک شخص سے کوئی غلطی پہلی بار صادر ہو رہی ہے، دوسرا شخص ہے کہ اس میں ڈوبا ہوا ہے، دونوں کی اصلاح کا طریقہ الگ اور جُدا ہے۔ ایک شخص اعلانیہ گناہ کر رہا ہے، دوسرا چھپ کر۔ دونوں کی اصلاح کا طریقہ الگ ہے۔ جو شخص چھپ کر گناہ کر رہا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اس کی پردہ پوشی کریں۔

بہت سے لوگ غلطی کرتے ہیں لیکن چھپ کر، اب بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں: فلاں اِس وقت اُس جگہ کیا کر رہا ہے؟ یہ روز اس وقت کہاں جاتا ہے۔

ایسی تفتیش اور کسی کے راز کے پیچھے پڑ جانا اچھی بات نہیں، یہ شرافت سے نکلی ہوئی چیز ہے۔ اگر کوئی آدمی آپ سے چھپا کر کوئی گناہ کر رہا ہے تو وہ درحقیقت آپ کا لحاظ اور آپ کی عزت کر رہا ہے۔

ایک بارہ سال کا بچہ.... سگریٹ کا عادی تھا، لیکن مجھ سے چھپا کر پیتا تھا، مجھے اس کی خبر تھی، میں نے سوچا اسے رنگے ہاتھوں پکڑوں (العیاذ باللہ) ایک دن میں اس کی ٹوہ میں لگ گیا، جیسے ہی اس نے دیوار کی آڑ میں سگریٹ کی پہلی کش لی، میں جھٹ سے پہونچا: یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: سگریٹ پی رہا ہوں، کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ میں لاجواب! اب وہ کھلے عام میرے سامنے آ کر دھواں پھینک رہا ہے اور میں....!

اچھی بات تو یہ تھی کہ میں اس کے پیچھے ہی نہ پڑتا، نہ اس کی ٹوہ میں لگتا، نہ میں اس انجام کو پہونچتا۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **من ستر مسلما ستره الله یوم القیامة (بخاری)**

نعیم بن ہزال کا بیان ہے کہ: ہزال کی باندی کے ساتھ حضرت ماعزؓ سے زنا کا

صدور ہو گیا، وہ انھیں پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے گئے، رجم کی آیت نازل ہوگئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **یاھزال! لو سترته بثوبک کان خیرا لک.** (مؤطا: 1499)

اس لئے کسی کی غلطی کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے، اور اگر کوئی شخص چھپا کر کوئی گناہ کر رہا ہے تو اس کی اصلاح اشارہ و کنایہ میں کر دی جائے، یہی بہتر ہے۔

بچوں کی عمر کے مطابق

اگر کوئی بچہ کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کا طریقہ، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک بار حضرت حسنؓ بن علیؓ نے صدقہ کی کھجور اٹھا لی اور منہ میں ڈال لی، نبی ﷺ نے دیکھا تو ان کا گال پکڑ کر فرمایا: بیٹا! اسے باہر نکالو، اسے باہر نکال دو بیٹے! آل محمد (ﷺ) صدقہ نہیں کھاتے۔ (بخاری: 1491)

حضرت محمد ﷺ ایک دفعہ غسل فرما رہے تھے کہ چھوٹی بچی زینب بنت ام سلمہؓ اندر آ گئی، آپ نے ایک چلو پانی لے کر اس کے منہ پر مارا اور فرمایا: **وراء کِ ای لکاع.** (طبرانی: 20173)

ظاہر ہے بچوں کی اصلاح انتہائی ہوش و گوش میں رہ کر کرنی چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ کی نشو و نما پر آپ کی ڈانٹ و پھٹکار کا بُرا اثر پڑے۔

بچہ پڑھنے میں سستی کر رہا ہے، صرف کھیل کی طرف اس کا دھیان ہے، آپ نے کہا: دل چاہتا ہے تمہیں ذبح کر دوں۔ تم کیا کرو گے آگے، خدا ہی جانتا ہے۔ اس طرح کے جملوں سے بچوں کی ذہنی ارتقاء پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ کہیں لکھا ہوا تھا: ”میں نے آپ کو اپنا باپ تسلیم کیا ہے، آپ میرے خدا نہیں کہ میں آپ کے سامنے ہنسوں نہیں، آپ کے سامنے اپنی زبان نہ کھولوں“۔

اگر آپ باپ ہیں اور آپ کا بچہ کوئی فکر پیش کر رہا ہے، تو آپ اُسے صرف اس لئے نہ ٹھکرا دیں کہ آپ باپ ہیں اور وہ بچہ۔ ممکن ہے آپ اس طرح اس کے دل میں باپ ہونے کی حیثیت تو جما دیں گے لیکن اس کی بے پناہ محبت اور خلوص نہیں پا سکیں گے، وہ دوہری ذہنیت اور دوہرے کردار کا ہو جائے گا، اس کے اندر فرماں برداری کے بجائے بغاوت آ ئے گی، یہ بہت خطرناک ہے صاحب، بہت خطرناک!

ایک بچہ نبی ﷺ کے سامنے بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا اور اس کے ہاتھ پورے برتن میں گھوم رہے تھے، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: بچے! بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور سامنے سے کھاؤ۔

اس مختصر سی نصیحت کا اثر یہ ہوا کہ وہ زندگی بھر اس پر عمل کرتے رہے ان ہی کا بیان ہے: **فمازالت تلک طعمتی بعد.** اس وقت سے اب تک میرے کھانے کا یہی طریقہ ہے۔

اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس کو نصیحت کرتے وقت اس کے بچپنا اور اس کی عمر کا لحاظ کیا، آپ نے اس سے یہ نہیں کہا: ایسے کیوں کھا رہے ہو؟ کھانے کا طریقہ نہیں معلوم؟ وغیرہ۔ آپ بھی ایسا ہی طریقہ اپنائیں۔

غلطی کو پکڑنا اور اس کا اعتراف کروانا

سچے اور مخلص ناصح کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کی غَلطی کو جان کر غَلطی کرنے والے سے اس کا اعتراف کروائے، غَلطی کو ثابت کرے اور اس پر دلیل و حجت قائم کرے، اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے غلطی کرنے والا اکتاہٹ اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو کر اس غلطی پر اصرار کرنے لگتا ہے۔

ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ کو ولید بن عقبہ سے کیا غرض؟ اس کی داڑھی سے تو خون ٹپک رہا ہے۔ ابن مسعودؓ نے

جواب دیا: نبی ﷺ نے ہمیں تجسس سے منع فرمایا ہے، ہاں البتہ اگر کچھ ظاہر ہے تو ہم اسے پکڑتے ہیں۔

یعنی اگر کسی کی غَلطی بہت زیادہ ظاہر نہ ہو تو اس کے ساتھ تجسس اور تفتیش میں نہیں لگتے۔ آپ نے تو نبی ﷺ کا فرمان پڑھا ہی ہے: **من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة.** (جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کریں گے) اگر آپ نے کسی کی غلطی ثابت کر ہی دی تو اس سے آپ بڑے تو نہیں بن جائیں گے یا آپ کا قد اونچا تو نہیں ہو جائے گا، یقین کریں اس سے غلطی کرنے والے کا دل آپ کی طرف سے غبار آلود ہو جائے گا۔ کیا ہی بہتر ہو کہ اس سے بچا جائے۔

غلطی کو مٹانے کے لئے کچھ وقت دینا

ایک شخص مدت سے کسی کام میں ملوث ہے، آپ نے اسے نصیحت کی اور اس کی غلطی کی درستگی کے لئے کوشش کی، تو اس کا تقاضہ یہ نہیں کہ وہ فوراً اور یک دم اپنی غلطی کی اصلاح کر لے، ایسے ہمت اور شان والے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح غلطی کرنے والے کے ساتھ ایسا طریقہ بھی نہ اپنا جائے جس سے اسے یہ احساس ہو کہ آپ اس کے مدمقابل اور خصم ہیں، بلکہ ایسا رویہ اور ایسا اچھا سلوک جس سے آپ کی بات اس کے دل میں گھر کر جائے، کیسے؟

آئیں ذرا اسالیب نبوی کا ملاحظہ کریں۔ سنن رسول اللہ ﷺ جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے۔ آیئے روشنی کی جانب...............!

اسالیب نبوی ﷺ

فوری تنبیہ

نبی ﷺ اپنے اصحاب کو ہر چیز سکھاتے تھے،حتی کہ استنجاء کے طریقے بھی،جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث میں ہے۔ان کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے،کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ کسی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھتے اور اس وقت مناسب یہ ہوتا کہ فوراً ہی اس کی تصحیح وتنبیہ کردی جائے تو مباشراً اس پر نکیر فرمادیتے،جیسے ایک بچہ آپ ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا تو آپ نے فوراً اس پر نکیر فرمائی۔

اصل بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی غلطی ایسی ہوتی جو برداشت کے لائق نہیں،یا جسے فوراً منع کردینے سے زیادہ اثر ہوگا،یا یہ کہ اگر منع نہ کیا جائے تو غلطی کرنے والا برابر اس میں پڑتا رہے گا،ایسی غلطیوں کی آپ فوراً تنبیہ فرمادیتے۔

ایک شخص وضو کررہے تھے،پاؤں دھونے میں اس کے پاؤں کا کچھ خشک رہ گیا،آپ ﷺ نے فوراً فرمایا: پھر سے اچھی طرح وضو کرو۔(مسلم)

ظاہر ہے اگر آپ فوراً ہی اس کی اصلاح نہ کرتے تو اس کی وہ نماز جو اس وضو سے پڑھی جاتی ؛ درست نہ ہوتی،اور اگلی نماز کے لئے یہ شخص اسی طرح وضو کرلیتا،اس کے نزدیک اس کا زیادہ اہتمام نہ ہوتا،جب کہ یہ ایک خطرناک امر تھا،اسی لئے نبی ﷺ نے فوراً ہی اس کی تصحیح فرمائی۔

ایک شخص مسجد میں آیا،نماز پڑھی اور نبی ﷺ کے پاس جا کر سلام

کیا،آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دے کر فرمایا: واپس جاؤ،پھر سے نماز پڑھو،اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔وہ شخص واپس گیا پھر سے نماز پڑھی،پھر آپ کے پاس آ کر سلام کیا،آپ نے پھر فرمایا: واپس جاؤ،پھر سے نماز پڑھو،اس لئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ایسا ہی تین بار ہوا تو اس شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے پیغمبر! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا،آپ مجھے سکھائیں۔

تب..... نبی ﷺ نے اسے تعلیم دی: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو،تو تکبیر کہو،پھر قرآن کا جو حصہ میسر ہو،وہ پڑھو،پھر رکوع کرو،جب اطمینان سے رکوع کر چکو تو اٹھو،پھر آرام سے کھڑے رہو،پھر سجدہ کرو،جب اطمینان سے سجدہ کر چکو،تب سر کو اٹھاؤ،پھر اطمینان سے بیٹھو،اور...ایسی ہی پوری نماز پڑھو۔(بخاری:757)

نبی ﷺ نے اس شخص کی غلطی پر اسے فوراً تنبیہ کی اور اس کی اصلاح کی،کیونکہ اگر...آپ نے فوری طور پر اس کی اصلاح نہ کی ہوتی تو اس کی اگلی نمازیں بھی اسی جیسی ہوتی جس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے نماز نہیں ہوئی۔یعنی اس کی آئندہ کی نمازیں بھی درست نہ ہوتیں۔چنانچہ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے اور یہ اثر ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ: اگر کوئی غلطی ایسی ہو جسے فوری طور پر نہ روکے جانے سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو اسے فوری طور پر روک دینا چاہئے،ایسی غلطیوں کی اصلاح اول وہلہ میں ہی ضروری ہے۔

نبی ﷺ کے تین اصحاب میں سے ایک نے طے کیا کہ: میں شادی نہیں کروں گا۔دوسرے نے: میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔تیسرے نے: میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا۔(مسلم:3469) تینوں کا منشاء یہ تھا کہ اس طرح اپنے نفس پر جبر کر کے اللہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے۔

جب کہ یہ غلط بات تھی کہ اپنے اوپر اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیا جائے، اور ایسی غلطی تھی کہ اگر نبی ﷺ اس سے منع نہ فرماتے تو یہ بہت زوروں سے پھیل جاتی، کیونکہ صحابہؓ کا زمانہ خیر کا زمانہ تھا، جس میں ہر شخص ایک دوسرے سے نیکی میں سبقت لے جانے پر تُلا رہتا تھا۔ اور یہ طے شدہ چیزیں شریعت کے مزاج کے موافق نہیں تھی، کیونکہ اسلام نے تو بالکل نفی کر دی ہے: **لا رھبانیۃ فی الاسلام**.

جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے خطبہ دیا: کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسا ایسا کہتے ہیں (میں گوشت نہیں کھاؤں گا، شادی نہیں کروں گا، بستر پر نہیں سوؤں گا) لیکن..... میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ جو میرے طریقے سے منہ موڑے ، وہ ہم میں سے نہیں۔

چنانچہ اگر ایسی کوئی غلطی دیکھیں تو آپ کا فرض بنتا ہے کہ اسے پہلے ہی مرحلہ میں روکنے کی کوشش کریں۔ سماج میں ایک شخص کسی دن شراب کے نشہ میں جھومتا ہوا آیا، ذمہ دار افراد کا فریضہ ہے کہ پہلی ہی بار اسے تنبیہ کریں اور ایسی تنبیہ کہ آئندہ اسے ایسی جرأت نہ ہو، ورنہ ان جیسے لوگوں کا شیوہ ہو جائے گا، شراب پی کے آئیں گے ، راستوں میں، چوراہوں پر گالی گلوچ اور دشنام طرازیوں کی مجلسیں لگنے لگیں گی۔

کسی جگہ کسی طرح کی پوری رات والی محفل جمی، لاؤڈ اسپیکر کی آواز گھر گھر پہنچ رہی ہے، بوڑھے اور کمزور لوگوں کے دل پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ مسوؤلین حضرات کی ذمہ داری ہے کہ پہلے ہی دن اس کی روک تھام کریں۔ اگر آپ نے ابھی اس پر پابندی نہیں لگائی تو اگلے دن کوئی ڈی جے لے کر آ جائے گا اور آپ کے منع کرنے پر وہ کہہ سکتا ہے: یہ تو بہت پہلے سے ہو رہا ہے، میں کیوں باز رہوں؟

جی ہاں! جو غلطی جڑ پکڑنے والی ہو، اس میں کوئی مصلحت نہیں، سب سے بڑی مصلحت یہی ہے کہ فوراً اس کی روک تھام کی جائے اور اس کے قلع قمع کی کوشش۔ یہی اسوۂ رسول (ﷺ) ہے۔

غلطی کا حکم بتا کر اصلاح

میں سات یا آٹھ سال کا تھا، عصر کی نماز کے لئے نکلا اور میرے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز تھی، کھاتے ہوئے مسجد جا رہا تھا، میرے اتالیق نے دیکھا تو دوسری طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہا: جھوٹے منہ نماز پڑھنا اچھی بات نہیں۔ فقط۔

میں واپس پلٹا اور کلی کر کے نماز کو گیا۔ انھوں نے میری غلطی کی اصلاح میری غلطی کا حکم بتا کر کی۔ وہ چاہتے تو مجھے بلا کر پوچھتے: کھاتے ہوئے مسجد جا رہے ہو؟ پھر مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا، لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا بلکہ صرف میری غلطی کا حکم بتا دیا کہ: یہ اچھی چیز نہیں۔ یہ ایک ایسا بہترین طریقہ ہے جس میں غلطی کرنے والے کو خفت اور شرمندگی کم ہوتی ہے لیکن اس کا اثر بہت جلد اور بہت اچھا پڑتا ہے۔

حضرت جرہد اپنی ران کھولے ہوئے تھے، نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: جرہد! اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ یہ شرمگاہ ہے۔ (ترمذی: 2798)

یعنی نبی ﷺ نے ران کھولنے کا حکم (یعنی کہ یہ ستر ہے) بتا کر ران کی اصلاح فرمائی، اگر صرف ران کو چھپانے کا حکم کرتے تو ممکن تھا کوئی یہ سمجھتا کہ ران چھپانا آداب اور تہذیب میں سے ہے، اس لئے نبی ﷺ نے حکم ہی واضح فرما دیا، تاکہ غلطی کرنے والے کی ذہن میں ہمیشہ یہ حکم جما رہے۔

غلط اور باطل نظریہ کی تصحیح

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک نظریہ اور رائے قائم کرتا ہے جس کے نتیجہ میں غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، اس وقت اصلاح اور تنبیہ کا صحیح اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس نظریہ کی ہی تصحیح کردی جائے۔ کیونکہ بہت بار انسان کے ذہن میں ایک تصور جم جاتا ہے اور اسی تصور کی وجہ سے غلطیوں پہ غلطیاں سرزد ہونے لگتی ہیں۔ مثلاً وہی تین صحابہ کا واقعہ جنھوں نے عہد کیا کہ عورت کے پاس نہیں جائیں گے، بستر پر نہیں سوئیں گے وغیرہ۔ ان کا تصور یہ تھا کہ رہبانیت اور تبتل اللہ تعالی کو پسند ہے، اسی تصور اور نظریہ کی وجہ سے انھوں نے یہ عہد کیا، تو نبی ﷺ اس نظریہ کی تغلیط فرما کر سیدھی راہ بتائی: کھائیں بھی اور روزہ بھی رکھیں، سوئیں بھی اور عبادت کے لئے شب بسری بھی کریں، نکاح بھی کریں اور عبادت بھی۔ یہی اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ ہے اور جو شخص......اس طریقہ سے اعراض وانحراف کرے گا وہ محمد (ﷺ) کے روِش پر نہیں۔

نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداءؓ کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارگی) قائم فرمائی، ایک دن سلمان اپنے بھائی ابودرداء کے گھر گئے تو دیکھا کہ ان بیوی میلے کچیلے کپڑے میں ہے، سلمانؓ نے دریافت کیا: یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ ان کی اہلیہ نے جواب دیا: ابودرداء کو دنیا سے کیا مطلب؟

تھوڑی دیر کے بعد ابو درداءؓ تشریف لائے اور کھانا تیار کیا، سلمانؓ نے ان سے کہا: کھائیں! ابودرداء نے جواب دیا: میں تو روزہ سے ہوں۔ سلمانؓ نے کہا: تب تو میں بھی تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابو درداءؓ نے ساتھ میں

کھایا۔ جب رات ہوئی....ابودرداء نماز کے لئے کھڑے ہوئے، سلمانؓ نے کہا: ابھی سوجاؤ۔ وہ لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، سلمانؓ نے کہا: ابھی سوجاؤ۔ جب رات کا آخری حصہ آیا تو سلمانؓ نے ابودرداء سے کہا: چلو اب اٹھیں، پھر دونوں نے نماز پڑھی۔

اس کے بعد سلمانؓ نے ان سے فرمایا: "**ان لربک علیک حقا، ولنفسک علیک حقا، ولأهلک علیک حقا، فاعط کل ذی حق حقه.**" تیرے رب کا تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دو۔ جب نبی ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو نبی ﷺ نے فرمایا: **صدق سلمان.** سلمان نے واقعی حقیقت بتائی۔ (بخاری: 1967)

یہاں حضرت ابودرداءؓ کا نظریہ اور تصور سیدھی راہ سے ہٹا ہوا تھا، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ عبادت صرف نماز اور روزے کا نام ہے، ان کے دماغ میں یہ تصور راسخ ہوگیا تھا کہ اصل عبادت یہ ہے کہ کھانا پینا اور بیوی بچوں کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ نے بہت بہت بلکہ حد سے زیادہ اچھے انداز میں ان کی تنبیہ فرمائی اور ان کا یہ نظریہ درست کیا کہ: عبادت صرف یہی نہیں کہ راتوں کو نماز اور عبادت کے لئے جاگا جائے اور دن بھر روزہ رکھا جائے، بلکہ انسان پر اس کے نفس کا بھی حق ہے کہ اسے غذا اور آرام دیا جائے، اس سے اتنا ہی کام لیا جائے جس کا وہ اہل ہے اور جس قدر کی اسے استطاعت ہے، آدمی پر اس کے جوڑے کا بھی حق ہے کہ اس کی ضرورت پوری کی جائے، اسے محبت دی جائے، اس کے ساتھ ملاطفت وملاعبت کی جائے، لیکن.....اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑے رب کا بھی حق ہے جسے پورا کرنا از حد ضروری ہے۔

یہ انصاف نہیں کہ ایک کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر شدت اختیار کی جائے کہ دوسروں کے حقوق پامال ہو جائیں۔ بات وہیں جا پہونچتی ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھی، معلوم ہوا کہ آپ کی بعض ازواج رات میں عبادت کرتی ہیں اور جب تھک جاتی ہیں تو رسی سے لٹک کر نیند کو دور کرتی ہیں اور پھر عبادت میں لگ جاتی ہیں۔

اس وقت نبی ﷺ نے یہ رہنمائی فرمائی کہ عبادت مکمل نشاط وچستی کی حالت میں کرنی چاہئے، جب نیند آنے لگے تو پہلے سولیا جائے پھر جاگ کر عبادت کی جائے تاکہ مکمل استحضار اور دھیان کے ساتھ عبادت ہو۔

پتہ چلا کہ: آدمی پر اس کے نفس کا حق ہے، جسے پورا کرنا ضروری ہے، بیوی کا حق ہے، اسے پورا کرنا ضروری ہے، اسی طرح ہر اہل حق کا حق۔

منشاء اور استدلال اس بات پر ہے کہ کبھی آدمی ایک تصور اور نظریہ قائم کر لیتا ہے اور اس غلط نظریہ کی وجہ سے غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے، اس وقت..... چاہئے کہ :اس نظریہ ہی کا بطلان ثابت کیا جائے۔

مثلاً ہمارا نظریہ یہ ہے کہ آدمی مال و دولت اور شان و شوکت کی وجہ سے بڑا ہوتا ہے، اب ہم اس نظریہ کو لے کر غلطی کرتے رہتے ہیں، اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا نظریہ درست ہو جائے: ایک شخص گذرا، نبی ﷺ نے مجلس کے ایک شخص سے پوچھا: اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ اشراف میں سے ہے، بخدا یہ اس لائق ہے کہ اگر کسی گھر میں نکاح کا پیغام بھیجے تو قبول کر لیا جائے، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش سنی جائے۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد.... دوسرا شخص وہیں سے گذرا، نبی ﷺ نے اسی شخص سے اِس دوسرے کے بابت سوال کیا کہ اس کے تئیں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے

جواب دیا: یارسول اللہ! یہ تو فقراء مسلمین کا ایک شخص ہے، بخدا! یہ تو اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اسے قبول نہ کیا جائے اور اگر کسی سے سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ سنی جائے، اگر کوئی بات کہے تو اسے کوئی سننے والا نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: هـذا خير من ملأ الارض مثل هذا. پہلے جیسوں سے اگر ساری زمین بھی بھر جائے تو یہ ایک شخص ان لوگوں سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ: 4120)

دیکھئے یہاں اس شخص نے یہ نظرہ اور یہ تصور قائم کیا ہوا تھا کہ انسان کی اصل شرافت و کرامت مال و دولت میں ہے، اس نظریہ کی وجہ سے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ: وہ شخص اس لائق نہیں کہ کوئی اسے اپنی بیٹی دے، اس کی باتوں پر کان دَھرے، اور اس کی سفارش قبول کرے۔ اور ان سب غلطیوں کی اصل وجہ اس کا باطل نظریہ اور شرافت و کرامت کے معیار کا غلط انتخاب تھا، تو..... نبی ﷺ نے اس نظریہ کی ہی تصحیح فرما دی۔

جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں مفلس تو وہ شخص ہے جس کے پاس پیسہ اور سامان نہ ہو۔ نبی ﷺ نے اس نظریہ کو باطل بتا کر صحیح طرف رہنمائی کی: نہیں! میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، حد سے زیادہ روزے اور زکاۃ لے کر آئے گا، لیکن... اس نے کسی کو گالی دی رکھی ہوگی، کسی کو بلا وجہ مارا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا۔ چنانچہ وہ بیٹھے گا اور اس کی نیکیاں اس کے حقداروں میں تقسیم کی جانے لگیں گی، ابھی اس سے بدلہ لینے والوں کا حق نہیں چکایا گیا ہوگا کہ ''اس کی نیکیوں کی تھیلی خالی ہو جائے گی''، پس ان کے حقداروں کے گناہوں کا بوجھ اس شخص پر ڈالا جائے گا، پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسند احمد: 8016) اور ایسا ہی شخص صحیح معنوں میں مفلس ہے۔

یہاں نبی ﷺ نے صحابہ کے اس نظریہ کو قابل تصحیح سمجھا اور اسے درست فرمایا، غلطیوں کی اصلاح کا ایسا طریقہ نہایت مؤثر اور دائمی ہے۔

رحمت وشفقت کا اظہار کرنا

رحمت اس رقت اور نرمی کا نام ہے جو مرحوم (رحم کئے جانے والے) پر احسان و حسن سلوک کا تقاضہ کرتی ہے۔ رحمت وشفقت اسلام کے اخلاق میں سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ بہت جگہ حکم فرمایا ہے: **اذا جاء ک الذین یومنون بایاتنا فقل سلم علیکم، کتب ربکم علی نفسه الرحمة، انه من عمل منکم سوء بجهالة ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحیم.** جب آپ کے پاس اہلِ ایمان آئیں تو آپ ان سے کہیں کہ اللہ نے اپنے اوپر رحمت لکھ (واجب کر) رکھی ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی ناواقفیت کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرلے، لیکن پھر توبہ کرلے اور نیک بن جائے تو وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔) (انعام: 54) **وقال: ورحمی وسعت کل شیٔ، فسأ کتبها للذین یتقون و یوتون الزکاة والذین هم بایا تنا یؤمنون.** (الاعراف: 156) میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں)

نبی ﷺ سراپا رحمت تھے: **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین.** (ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اسی لئے تو آپ نے تعلیم دی: **من لا یَرحم لایُرحم.** جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ خود بھی رحم کئے جانے کے لائق نہیں۔

رحمت ایک فطری چیز ہے جو انسان میں بلکہ تمام جاندار میں ودیعت کی گئی ہے، بلکہ.... بلکہ نبی ﷺ نے تو جمادات کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ فرمایا: **کان رسول الله یقوم یوم الجمعة الی شجرة او نخلة، فقالت امرأة من الانصار (او رجل) یا رسول الله! انجعل لک منبرا؟ قال: ان شئتم.** نبی ﷺ جمعہ کے دن کسی درخت یا کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے، کہ انصار کی ایک خاتون یا صاحب نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے لئے منبر تیار کردیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر چاہتے ہو تو کردو، کوئی مضائقہ نہیں۔ انھوں نے آپ کے لئے ایک منبر تیار کیا۔

جب جمعہ کے دن نبی ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تو وہ منبر..... بخدا وہ منبر کسی بچہ کی طرح سسک سسک کر رونے لگا، **فنزل النبی ﷺ** اور اس کو اپنے سے چمٹا لیا، وہ ایسے سسک رہا تھا جیسے کوئی بچہ ماں کی گود میں۔ **قال رسول الله ﷺ: تبکی علیٰ ما کانت تسمع من الذکر** (بخاری: 2095)

اگر کوئی شخص غلطی یا کسی خطاء میں مبتلا ہو تو اس کے ساتھ رحمت کا اظہار کردینا اصلاح کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ ایک شخص سگریٹ کا عادی ہے، آپ اس سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں: امت میں آپ جیسے لوگوں کی سخت ضرورت ہے، آپ کو تو تا دیر رہنا ہے، لیکن آپ اپنی صحت برباد کررہے ہیں، مجھے آپ کی صحت پر بڑا قلق ہو رہا ہے، آپ کم از کم میرے لئے ہی سہی! اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ یہ اصلاح کا بہترین طریقہ ہے، ایک تو اس کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی، وہ یہ سمجھے گا کہ آپ اس کا بہت اہتمام کررہے ہیں، دوسری چیز یہ کہ اس کے دل میں آپ کے جذبۂ رحمت کا اثر ہوگا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ نے دریافت کیا: **انک لتصوم الدهر وتقوم اللیل؟** تم ہمیشہ دن میں روزہ اور رات بھر نماز میں کھڑے رہتے ہو؟ جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: **انک اذا فعلتَ ذلک هجمتُ له العین و نهِفتُ له النفس.** اتنی مشقت سے تو صحت پر بُرا اثر پڑے گا، مہینہ میں تین دن کا روزہ کافی ہے عبداللہ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس

سے زیادہ کی طاقت ہے۔آپ نے فرمایا: پھر تو تم ...صوم داؤد (علیہ السلام) رکھو، کہ آپؑ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔(بخاری:1989)

حضرت عبداللہ بن عمرو چونکہ ہمیشہ روزہ رکھ رہے تھے، نبی ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ ابھی تو طاقت ہے،لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمیشہ اور ہر روز کا روزہ ان پر گراں گذرے اور یہ اسے ترک کر بیٹھیں،جب کہ: **خیر الامور عنداللہ ادومها وان قل.** (اللہ کے یہاں بہترین (نفل) عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگر چہ کم ہی ہو) تو آپ نے ان پر شفقت ورحمت فرما کر درستگی اور صواب کی رہنمائی کی،جس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم غلطی کرنے والے کو رحمت وشفقت کے ذریعہ بھی تنبیہ کر سکتے ہیں،اور اصلاح کا یہ طریقہ نہایت مؤثر ہوگا۔یہی رحمت ہی تو تھی جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ آپ پر اپنے ماں باپ، بیوی واولاد بلکہ خود اور اپنا سب کچھ لٹا بیٹھے۔**لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم.**

صحابہ کی فدائیت کی وجہ یہ تو نہیں تھی کہ آپ نے سب کو ایک ایک بنگلہ اور بہت سے گھوڑے گاڑیاں، حشم وخدم عنایت فرمائے تھے، بلکہ جو بھی مسلمان ہوتا تو اسے اپنے مال کی قربانی دینی پڑتی، مال ہی نہیں بلکہ جان بھی۔

وجہ: آپ رحیم وشفیق تھے،فحش گو،سخت کلامی کرنے والے نہ تھے،تندخو اور ترش رُو بھی نہیں۔**فبما رحمة من الله لنتَ لهم،ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولک.** (آل عمران:159)

ایک شخص نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہی......جماع کر بیٹھا۔رسول اللہ نے استفسار فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے! کس چیز نے تمہیں اس پر آمادہ کر دیا؟ اس نے عرض کیا: چاندنی رات میں

اس کے پازیب نے مجھے بہکا دیا۔نبی ﷺ نے فرمایا: اب....کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے قریب بھی نہ جائیو۔(ترمذی:1199)

نبی ﷺ نے یہاں بھی غلطی کرنے والے پر رحمت کا اظہار فرما کر اس کے دل کو موہ لیا، یقیناً رحمت کا اظہار جس قدر مؤثر ہوتا ہے،سخت گوئی کا نہیں۔

عام طور پر سخت انداز میں تنبیہ کرنے سے اصلاح کے بجائے فساد پیدا ہوتا ہے۔ڈانٹ ڈپٹ کرنا زیادہ مناسب نہیں،اس سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے معاملہ کو لیا جائے اور اسوۂ رسول دیکھا جائے کہ نبی ﷺ نے ان جیسے مواقع پر کیا رویہ اختیار فرمایا ہے؟

میں نے راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ کسی کو غائبانہ بُرا بھلا کہہ رہا تھا، میں نے پوچھا: بات کیا ہوئی؟ اس نے بتایا: اب تو معتمد لوگ بھی دو طرح کی باتیں کرتے ہیں، ایک دن میرے بچہ کو کسی چیز نے کاٹ لیا تھا، میں فلاں صاحب کے پاس گیا کہ کچھ پڑھ کر پھونک دیں، انھوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا: اِس سے کیا ہوگا؟ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، یہ اتنے سارے ڈاکٹر نظر نہیں آتے کہ منہ اٹھائے یہاں چلے آئے ہو؟ پھر یہی صاحب کسی دن مجمع میں کہہ رہے تھے کہ میری پھونک میں بہت تاثیر رکھی گئی ہے۔میں نے اس دن سے مسجد جانا ہی بند کر دیا۔

نعوذ بالله من ذلک! بھلا بتائیں کہ اصلاح کا یہ طریقہ کیسا تھا کہ بجائے اصلاح کے فساد ہی ہو گیا۔آپ تو جانتے ہی ہیں کہ شریعت اسلام کا مزاج ہے کہ لوگوں کو اسلام اور ایمانی کاموں کی طرف رغبت دلائی جائے، یہ تو نہیں کہ انھیں ایمانی کاموں سے متنفر کر دیا جائے؟ کیا مضائقہ تھا اگر وہ صاحب ان کے بچہ پر پھونک دیتے اور نرم انداز میں ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا مشورہ بھی دے دیتے کہ یہ اس غریب کے حق میں بہتر ہوتا۔

ایک اعرابی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور ایک جگہ تلاش کی، وہاں جا کر کھڑا پیشاب کرنے لگا، اصحاب رسول (ﷺ) اسے ڈانٹتے ڈپٹتے دوڑے: مسجد میں پیشاب کر رہا ہے؟ نبی ﷺ اپنے اصحاب سے فرمانے لگے: رکو رکو۔ جب اس دیہاتی نے پیشاب کر لیا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور نہایت نرمی سے کہا: مسجد میں پیشاب اور کسی بھی طرح کی گندگی نہیں کرنی چاہئے، مساجد تو اللہ کے ذکر اور نماز وتلاوت قرآن کے لئے بنائی گئی ہیں۔ (مسلم)

روایتوں میں ہے کہ اسے پیشاب کرتا دیکھ کر: ''صاح بہ الناس'' اور ''فثار الیہ الناس'' ''لوگ بھڑک اٹھے کہ یہ یہاں کیا کرنے لگا، ممکن تھا کہ نبی ﷺ نے منع نہ کیا ہوتا تو وہ لوگ اس اعرابی کو ڈانٹتے بلکہ مار بھی دیتے، لیکن نبی ﷺ نے اسے صرف اتنا کہا: یہاں گندگی کرنا مناسب نہیں۔

سوچیں کہ اصلاح کا کون سا طریقہ زیادہ مناسب تھا، یہ کہ اسے ڈانٹا اور جھڑکا جائے یا وہ طریقہ جو نبی ﷺ نے اختیار کیا؟ بلا شبہ نبی ﷺ نے ایسا طریقہ اور رویہ اپنایا جو ہمیں روشنی کی جانب بلا رہی ہے۔

ممکن ہے صحابہ کی ڈانٹ اُس شخص پر بُرا اثر ڈالتی، ممکن ہے اس کا پیشاب رُک جاتا، یا ممکن ہے خوف سے اس کا پیشاب اور زیادہ پھیل جاتا اور اس کا بدن و کپڑا ملوث ہو جاتا۔ نبی ﷺ نے اپنی ثاقب نظری سے تاڑ لیا کہ اسے آرام سے اس کی حاجت پوری کرنے دینا، دو نقصانات میں سے چھوٹا نقصان ہے، اس کی طبیعت کو استئلاف کی حاجت تھی، اس کی تعلیم کے لئے سختی اور ترش روئی غیر مناسب تھی، پھر یہ کہ نبی ﷺ کے اندر رأفت ورحمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی، آپ حسنِ اخلاق کا مجسمہ تھے، اسی وجہ سے آپ نے اپنے اصحاب کو نرمی کا حکم فرمایا۔

تو آپ بھی اسی اسوہ کو اپنائیں۔ نرمی اور رفق سے سمجھائیں، اس سے آپ کی بات زیادہ مؤثر ہوگی اور آپ دل جیت لینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

غلطی کی مضرت کو بیان کر دینا

بہت سی خطائیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں انجام صرف ایک شخص دیتا ہے، لیکن اس کا نقصان کرنے والے کے ساتھ ساتھ اور لوگوں کو بھی اٹھانا پڑتا ہے، اس وقت ضروری ہوتا کہ ہم غلطی کرنے والے کو اس غلطی کے نقصانات سے روشناس کرائیں، اس کے کام کے مضرات ومفسدات کو خوب اچھی طرح بتا دیں کہ اسے پہلے ہی احساس ہو جائے کہ ایسا کرنے سے میرے علاوہ یہ لوگ بھی نقصان میں پڑ جائیں گے۔ نبی ﷺ کا ہدی یہی تھا کہ آپ اپنے اصحاب کو غلطی کے انجام اور عاقبت سے باخبر کر دیتے تھے۔

آپ کا لڑکا بری صحبت میں رہنے لگا، رات دیر سے گھر واپس لوٹ رہا ہے، محلّہ کے چند افراد آپ سے دبے لفظوں میں آپ کے لڑکے کی اس حالت کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ آپ اپنے بچہ کو بلائیں، اسے بُری صحبت کے نقصانات بتائیں، قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غلط صحبت کی بُرائیاں بتانے کے بعد اسے یہ بھی کہیں کہ: اگر خدانخواستہ تم سے کسی بڑی غلطی کا ارتکاب ہو گیا، تو تم جن لوگوں کے ساتھ رہتے ہو اُن کی وجہ سے تمہاری خود کی ذات کے ساتھ ساتھ ہماری بھی عزت خاک میں مل جائے گی، اِس بُری صحبت کا اثر نہ صرف تم پر..... بلکہ ہم پر ہمارے تمام خاندان پر پڑے گا۔

آپ معاشرہ وسماج میں اپنی ایک حیثیت اور اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، آپ کی لڑکی بے پردہ گھر سے نکلنا چاہتی ہے، اولاً تو بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلنا کسی بھی عورت کے لئے جائز ہی نہیں۔ لیکن..... یہاں آپ اُسے سب سے پہلے پردہ

کے فضائل پھر بے پردگی کی وعیدیں اور اس کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں: تمہاری بے پردگی سے اُنگلیاں ہم پر اٹھیں گی، میں لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتا ہوں اوورتم میری دختر ہو کر یوں..........! کیا یہ مناسب ہے میری بچی کہ تمہاری غلطی سے ہم بھی نقصان میں پڑیں، پھر میں تمہارا ذمہ دار ہوں، مجھ سے قیامت کے دن جب تمہارے اس عمل کے بارے میں پوچھ ہوگی تو میں کیا جواب دوں گا؟ کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہارے اس عمل کی وجہ سے جہنم میں جاؤں؟

حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: کیا تم میں کے لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ وہ امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھائیں تو اللہ ان کا سر گدھے کے سر کی طرح بنا دے؟ (بخاری:691)

نبی ﷺ نے امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھانے کی سزا بتا دی کہ اگر امام سے پہلے ہی رکوع سے سر اٹھا لیں تو خدشہ ہے کہ اللہ تعالی اس کا سر گدھے کے سر کی طرح نہ بنا دے۔ نبی ﷺ نے غلطی کے نقصان اور مضرت کو پہلے ہی بیان کر دیا۔

لوگو! اپنی صفیں سیدھی رکھو، ورنہ اللہ تمہارے چہرے بدل دے گا (بخاری)

ہوا تیز چل رہی تھی، کسی شخص کی چادر کھل گئی، اس نے ہوا پر لعنت کر دی، نبی ﷺ نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، یہ تو مامور ہے۔ جس شخص نے کسی پر لعنت کی اور وہ اِس لعنت کا اہل نہیں تو اس کی کی ہوئی لعنت اسی پر لوٹ جائے گی۔ (ابوداؤد:4910)

نبی ﷺ نے واضح کر دیا کہ یہ غلط ہے، اور اس غلطی کا نقصان یہ ہے۔ اصلاح اور تنبیہ کرنے کا یہ طریقہ انتہائی اعلیٰ ہے، اسوۂ رسول ﷺ۔

عملی تعلیم

بہت سی دفعہ کسی غلطی کرنے والے شخص کی اصلاح کے لئے نظری اور قولی تعلیم سے زیادہ عملی تعلیم مؤثر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں: **الفعل ابلغ من القول**. ''کہنے'' سے زیادہ اثر ''کرنے'' کا ہوتا ہے۔ علامہ نووی اور ابن حجر رحمہما اللہ سے منقول ہے: **ان البیان بالفعل ابلغ فی الایضاح، واوقع فی نفس السامع من القول وحدہ.**

وہ شخص غلط غلط وضو کر رہا تھا، کسی معزز اور بڑے خاندان کے بچہ نے دیکھا تو سوچا کہ انھیں کیسے بتاؤں؟ اس نے ایک ترکیب سوچی اور ان سے جا کر کہنے لگا: انکل! مجھے وضو کرنا سکھا دیں۔ اُن صاحب نے اپنے علم کے مطابق بچہ کو سکھا دیا، جب اس بچہ نے کہا: انکل! میرے والد نے مجھے وضو کرنا سکھایا تھا، آپ اِسے دیکھ لیں اور بتائیں کہ میں کیسے کروں؟ پھر بچہ نے صحیح شرعی طریقہ پر وضوء کیا، اُن صاحب کو تب بات سمجھ میں آئی، کہنے لگے: بیٹے! تمہارے والد نے صحیح سکھایا ہے، تم اُنھیں کے بتائے ہوئے طریقہ پر وضو کیا کرو۔

حضرت ابوقلابہؒ کا بیان ہے کہ حضرت مالکؓ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم سبھی نوجوان قریب ایک ہی عمر کے تھے، ہم آپ ﷺ کے پاس بیس دن ٹھہرے۔ رسول اللہ بڑے مہربان اور رفیق تھے، جب آپ ﷺ کو یہ محسوس ہوا کہ ہمیں اب اپنے اہل کی ضرورت پڑ رہی ہے تو آپ ﷺ نے ہم سے ہمارے اہل کے بارے میں دریافت کیا پھر فرمایا: اب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، ان کے پاس رہو اور انھیں دین کی باتیں سکھاؤ، ایسے ہی نماز پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں۔ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔ (بخاری:628)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اپنے عمل کی اقتداء کرنے کی تلقین کی ،اسی طرح حج کے موقعہ پر بھی شاہِ اُمم ﷺ نے اپنے عمل کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ رسول کریم ﷺ غلطیوں کی اصلاح میں بھی عملی تعلیم اپناتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم ﷺ نے کفار کی ایسی شرطیں منظور کر لی جس میں بظاہر مسلمان اپنی شکست سمجھ رہے تھے،تمام صحابہ دل برداشتہ تھے،آپ ﷺ نے انھیں حلق کا اور قربانی کا حکم فرمایا،لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں تھے تب...حضرت ام سلمہ کے مشورہ پر نبی ﷺ نے خود اپنا حلق اور اپنی قربانی کردی۔چنانچہ تمام مسلمانوں نے آپ کے عمل کو دیکھ کر خود بھی عمل کیا۔(سیرۃ المصطفی)

نبی ﷺ نے ان کی غلطی کی اصلاح عملی طور پر کی۔

حضرت جبیر ابن نفیرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،آپ نے ان سے فرمایا:ابو جبیر! وضو کرو۔انھوں نے وضو شروع کیا اور پہلے منہ دھلنے لگے، نبی ﷺ نے فرمایا:ابوجبیر! منہ سے شروع نہ کرو کیونکہ منہ سے تو کافر شروع کرتا ہے، پھر نبی ﷺ نے وضو کا پانی منگوایا، پھر اپنے ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا، پھر کلی، ناک میں پانی، اپنے چہرہ کو تین بار دھویا اور دائیں ہاتھ کو کہنیوں تک تین بار پھر بائیں کو پھر مسح فرمایا اور پاؤں دھویا۔(ابن حبان:1089)

یہاں آپ ﷺ نے ان کی اصلاح کے لئے عملی طریقہ اپنایا،آپ انھیں بتا سکتے تھے کہ ایسا ایسا کرو،لیکن ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' سنی ہوئی چیز دیکھی ہوئی کی طرح کب ہوسکتی ہے۔اگر آپ اپنے بچہ کو وضو یا نماز کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں تو عمل کر کے دکھائیں،اس سے زیادہ اثر پیدا ہوتا ہے اور یہ یاد رکھے جانے کے بھی زیادہ لائق ہے اور آسانی سے یاد بھی رہتا ہے۔

غلطی کرنے والے کی نشان دہی

بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص یا کچھ لوگ کسی غلط کام میں ملوث ہیں ،آثار یہ بتارہے ہیں یا مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے بالمشافہ نہ ٹوکا جائے تو عام مجمعوں میں عام انداز میں بھی اصلاح کی جاسکتی ہے، نبی ﷺ کی زندگی میں یہ طریقہ بہت پایا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں کو کسی معاملہ پر نکیر فرمانا چاہا تو عام مجمع میں کہہ دیا: لوگوں کو ہو کیا گیا ہے کہ ایسا ایسا کررہے ہیں؟ بس نصیحت ہوگئی، بات پہونچ گئی، جو شخص اس میں ملوث ہے وہ خود سمجھ جائے گا کہ ہمیں ایسا کہا جارہا ہے اور وہ اس سے باز بھی آجائے گا۔آپ بھی یہی طریقہ اختیار کریں، تلمیح اور تعریض کا۔

تلمیح یا تعریض :یعنی کسی چیز کی صراحت نہ کرنا، بلکہ کہنا کچھ اور مراد کچھ لینا۔قرآن وحدیث میں تعریضی کلام بہت کثرت سے آئے ہیں: **ومنهم من يقول: ائذن لي ولا تفتني. الا في الفتنة سقطوا ،وان جهنم لمحيطة بالكافرين.** ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں: مجھے اجازت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیں مجھے،ارے یہ تو فتنے میں گر چکے ہیں، یقیناً جہنم کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے(توبہ:49) **ومنهم من عاهدا الله لئن آتانا من فضه لنصدقن و لنكونن من الصالحين.** ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں دولت دی تو ہم صدقہ کریں گے اور نیک لوگوں میں سے بن جائیں گے۔(توبہ:75) جیسی بہت سی آیتیں ہیں جس میں اللہ تعالی نے اشاروں میں ہی منافقین سے خطاب کیا ہے لیکن کہیں ان کے اسماء وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا۔سورۂ توبہ میں بہت بار ''ومنهم ومنهم'' (کچھ لوگ، کچھ لوگ) کا لفظ ہے،اس سورت کو ''سورۂ فاضحہ'' (رسوا اور ذلیل کرنے والی) بھی کہتے ہیں،اس میں اللہ نے

منافقین کے اسرار کھولے ہیں اور انھیں رسوا کیا ہے، ومنہم ومنہم کہہ کر ان سے خطاب فرمایا اور ان کے اوصاف ذکر کئے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ کسی شخص کو متعین نہیں کیا۔ تنبیہ کا یہ طریقہ بھی انتہائی اثر رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ستار ہیں، پردہ پوشی کو پسند کرتے ہیں، اسی لئے اس نے کسی شخص کو متعین نہیں کیا۔ تلمیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات بیان کر کے انھیں مخاطب کیا، چنانچہ اب قیامت تک کے لئے اگر کوئی شخص ان صفات والا ہوگا تو یہی خطاب اس پر بھی ہو جائے گا۔

پھر نبی ﷺ نے بھی ان منافقین کے ناموں کو کبھی عام مجلسوں میں بیان نہیں کیا، کیونکہ بیان کر دینے سے ان کے دل میں منافقت کی وجہ سے دشمنی کی آگ بھڑکتی، آپ ﷺ منافقین کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے، انھیں نرمی اور رفق سے پاس بلاتے رہے جو دعوت کا انتہائی اہم اصول ہے جسے خود نبی ﷺ نے تیار فرمایا۔

سنت نبویہ میں تعریض کا انداز بہت جگہ ہے، آپ ﷺ نے عام انداز میں خطاب فرما کر کچھ خاص لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے، یہ انداز صرف نبی ﷺ کے خلق عظیم کا نتیجہ ہے جس سے آپ متصف تھے، اور آپ نے عام خطاب اس لئے بھی فرمایا کہ بعد میں آنے والی امت اور آپ کے تمام صحابہ کے لئے یہ فرمان مشعل راہ ہو۔

کچھ لوگ نماز میں آسمان کی جانب منہ اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ گرچہ یہ معاملہ کچھ اور چند لوگوں کا تھا، لیکن نبی ﷺ نے پوری امت کے لئے خطاب فرمایا اور کیا ہی اچھا عام خطاب فرمایا: کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ نماز کی حالت میں آسمان کی جانب منہ اٹھا کر دیکھتے ہیں، اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں اُچک لی جائیں گی۔ (بخاری:750)

مجھے یاد کسی جگہ.....رمضان کا آخری جمعہ، خطبہ شروع ہے تو ختم ہونے کا نام نہیں، نماز کا وقت مقرر گذرا جا رہا ہے، خطیب کے سامنے بیٹھے ہوئے ایک شخص نے گھڑی کی جانب دیکھ لیا، وہ دورانِ خطبہ ہی برس پڑے: یہاں نماز دیر سے ہوتی ہے، گھڑی دیکھنی ہے تو دوسری مسجد جایا کریں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون. میں اُس شخص کے آس پاس ہی بیٹھا تھا، بے ساختہ نگاہ اُدھر اٹھی، بے چارے بہت شرمندہ نظر آرہے تھے، پوری مسجد کے لوگ انھیں ہی دیکھ رہے تھے، قطع نظر ہر چیز سے؛ کیا اس طرح تنبیہ کرنا اچھی بات تھی؟

نبی ﷺ کی عادتِ شریفہ ہی تھی کبھی غلطی کرنے والے کا نام ظاہر نہ کرتے ، آپ اگر عتاب اور تانیب بھی فرماتے تو خاص انداز میں نہیں، تا کہ غلطی کرنے والے کو سب کے سامنے خفت اور شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ایک بار نبی ﷺ نے کسی معاملہ میں لوگوں کو رخصت دی، لیکن کچھ لوگ احتیاط کی وجہ سے اس سے بچنے لگے۔ آپ نے فرمایا: لوگوں کا حال بھی عجیب ہے کہ جسے میں کر رہا ہوں، اس سے بچ رہے ہیں۔ خدا کی قسم! میں ان میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار نماز پڑھائی اور سورۂ روم کی تلاوت کی، نماز میں آپ کو تشابہ لگ گیا، آپ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا کہ اچھی طرح پاکی حاصل کر کے نہیں آتے، ان کی وجہ سے ہم پر قرآن پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ان تمام حدیثوں میں یہ نکتہ پایا جا رہا ہے کہ نبی ﷺ نے کسی مخطی کی نشان دہی نہیں فرمائی، بلکہ عام انداز میں تنبیہ فرماتے رہے۔ تعریض کا طریقہ اس لئے اپنایا جاتا ہے کہ اس سے غلطی کرنے والا خود سمجھ جاتا ہے کہ یہ بات مجھ سے کہی جا رہی ہے، اس میں کسی کی فضیحت ورسوائی کا قصد نہیں ہوتا، لیکن .... ہاں! یہ اس وقت ہے

جب لوگوں میں اُس غلطی کرنے والے کی شخصیت گمنام سی ہو، لیکن اگر.... اکثر لوگ جان رہے ہیں کہ فلاں شخص ہی اس غلطی میں مبتلا ہے تو اس وقت اسے تعریض نہیں کہیں گے، بلکہ یہ تو نام لینے سے بھی سخت ہو جاتا ہے، ایسے مواقع پر یہ طریقہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

غلطی کرنے والے پر لعنت

غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ''میں غلطیوں سے پاک ہوں'' اگر کوئی ایسا دعویٰ کررہا ہے تو اس کا دعویٰ کرنا ہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ وہ دعویٰ کرتے وقت ہی اپنی دعویٰ میں ناکام رہا۔ لیکن... اگر کوئی شخص غلطی کررہا ہے تو اصلاح وتنبیہ کرنے والے کو چاہئے کہ اسے بُرا بھلا نہ کہے، اس پر لعنت نہ بھیجے۔

حرم شریف کے ایک نئے امام کا انٹرویو نظر سے گذرا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ حرم شریف کے امام کیسے بن گئے؟ آپ نے اس کے لئے کیا کیا محنتیں کی؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے کوئی محنت نہیں کی، بس یہ تو میری ماں کی دعاء تھی۔ لیکن ماں تو ہر ایک کی اپنے بچہ کے لئے دعاء کرتی ہے۔ ہاں لیکن... میری ماں کا طریقہ ہی الگ تھا۔ جب بھی میں کوئی غلطی کرتا تھا تو لعن طعن کے بجائے یہ کہا کرتی تھی: اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہیں حرم شریف کا امام بنائے۔

کتنی اچھی اصلاح تھی، اگر کسی نے کسی کی غلطی پر بار بار ایسا ہی جملہ کہا تو ضروری طور پر غلطی کرنے والے کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ: یہ تو میرا مقام اس قدر بلند ہونے کی دعاء کررہے ہیں، میں کیوں نہ اس کا اہل بنوں۔ یہ سوچ اور یہ فکر اصلاح کا بڑا اور اہم ذریعہ بنے گی۔

ایک شخص عبداللہؓ جن کا لقب ''حمار'' تھا، نبی ﷺ بہت ہنسا کرتے تھے، انھیں شراب پینے کی وجہ سے کئی بار حد لگائی گئی، ایک بار حد جاری کی جانے لگی تو کسی نے کہہ دیا: اللہ اس پر لعنت کرے، اِسے کتنی بار حد لگائی جا چکی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس پر لعنت مت کرو۔ بخدا میں یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری)

ایک شخص نشہ کی حالت میں نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، نبی ﷺ نے اصحاب کو حکم فرمایا کہ اسے مارو، کسی نے ہاتھوں سے کسی نے لاتوں سے خوب اس کی پٹائی کی، جب وہ چلا گیا تو کسی نے کہا: اللہ اسے رسوا کرے، ایسا کرتا ہی کیوں ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔ دوسری روایت میں پوری تفصیل ہے کہ: بلکہ یہ کہو: اللہ اس کی مغفرت کرے اور اس پر رحم کرے۔

گناہ کا ارتکاب اگر مسلمان سے ہوجاتا ہے تو اس کا ایمان باقی رہتا ہے، اور ایمان والے پر لعنت کرنا صحیح نہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے لعنت سے منع کیا، اور آپ کے ارشادات صاف طور پر یہ بتا رہے ہیں کہ کسی کو غلطی کی وجہ سے بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے۔ بہت سی دفعہ ہوتا یوں ہے کہ برا بھلا کہنے کا الٹا ہی اثر پڑ جاتا ہے۔ کسی نے غلطی کی، آپ نے کچھ زیادہ سختی دکھا دی، اس نے کہا: ہاں ہاں! کروں گا کروں گا، اور کروں گا، تم میرا کیا کرسکتے ہو؟

آپ اصلاح کررہے ہیں یا فساد فی الارض؟ اس تنازع اور جھگڑے سے اچھی چیز تو یہ تھی کہ آپ خاموش ہی رہتے۔ یا ایسا طریقہ اختیار کرتے جس سے اصلاح ہوتی، پھر یہ کہ آپ پر یہ ذمہ داری تو نہیں کہ آپ اس کی اصلاح کرکے ہی چھوڑیں: **وما علیک الا البلاغ**۔ رہی بات ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کی تو: **انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء وهو اعلم بالمهتدین.**

رُکنے کا حکم کرنا

غلطی کرنے والے کے ساتھ نبی ﷺ کا اسلوب و طریقہ مختلف ہوا کرتا تھا، لیکن جو طریقہ رسول کریم ﷺ زیادہ استعمال فرماتے تھے، وہ یہ کہ کسی کو غلطی پر صراحت کے ساتھ تنبیہ فرماتے اور یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا جو آپ کے ہمہ وقت ساتھ رہنے والے لوگ تھے، جن کے بارے میں نبی ﷺ کو شرحِ صدر تھا، انھیں آپ صراحتاً حکم فرمادیتے یا کسی چیز سے منع کرنا ہوتا تو تصریح کے ساتھ روک دیتے۔ احادیث صحاح اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں، کبھی آپ نے کسی شخص کے ساتھ ایسا فرمایا ہے اور کبھی پوری جماعت اور قوم کے ساتھ۔

اک شخص جمعہ کے دن مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے آیا، نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، تم نے تکلیف دی اور تاخیر کی۔ (ابن حبان)

وہ قبرستان میں اپنے بیٹے کی قبر پر نوحہ کررہی تھی، زار و قطار آنسو اور آہیں۔ نبی ﷺ کا گذر ہوا فرمایا: اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔

نبی ﷺ نے یہاں غلطی کرنے والے کے منہ پر اس کی اصلاح فرمائی اور اصلاح کا کتنا ہی بہترین انداز ہے: بیٹھ جاؤ، تم نے تکلیف دی۔ فقط! ہم آپ ہوتے تو برس پڑتے۔ لیکن یہ تو خلق عظیم کے حامل تھے، نوحہ کرنے والی کو صرف اتنا: اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ پھر ہوا یوں کہ اس عورت نے جواب دیا: جائیں جائیں! آپ کو میری مصیبت جیسی مصیبت ملے تب نا؟ نبی ﷺ خاموشی سے چلے گئے۔ صحابہ نے اس عورت سے کہا: اری! یہ پیغمبر خدا تھے۔ وہ دوڑی خدمت اقدس

میں: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ نبی ﷺ نے اس وقت بھی کچھ نہیں فرمایا سوائے یہ: صبر تو صدمہ اور مصیبت کے پہلے گھڑی میں کرنا ہوتا ہے۔

اک بار حضرت عمرؓ نے کہا: میرے باپ کی قسم!۔ نبی ﷺ نے فوراً تنبیہ کی: **مــن حلف بشیٔ دون اللہ فقد اشرک.** (مسند احمد) غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے

بہت سی دفعہ پورا مجمع غلطی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس وقت پورے مجمع میں اصلاح کرنی چاہئے، نبی ﷺ کے زندگی میں ایسے بہت سے مواقف اور مواقع پیش آئے ہیں جب آپ نے مجمع عام میں اصلاح و تنبیہ فرمائی۔ ایک بار آپ نماز میں تھے کہ پیچھے سے پاؤں کے دھما دھم کی آوازیں سنائی دیں، نماز کے بعد آپ نے استفسار فرمایا: یہ آوازیں کیسی؟ جواب ملا: نماز میں آنے میں جلدی کرتے ہیں تا کہ رکعت نہ چھوٹ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی: نماز کے لئے آؤ تو اطمینان اور وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جتنی نماز پالو اسے پڑھو اور جو فوت ہوجائے اسے پوری کرلو۔

بہترین ناصح اور مربی کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ بیدار رہے، انھیں سکھائے کہ یہ غلط ہے اور یہ صحیح ہے۔ اگر غلطی بہت ظاہر ہو کہ غلطی کرنے والے کو احساس ہوجائے تو اسے کچھ نہ کہے۔

بسا اوقات غلطی کرنے والے کو غلطی کرتے ہی احساس ہوجاتا ہے، اس وقت تنبیہ و اصلاح کا احسن طریقہ یہ ہے کہ خاموشی سے گذرا جائے، کیونکہ اصلاح اور تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ غلطی کرنے والا اپنی غلطی سے باز آجائے اور یہ مقصد اگر پہلے ہی حاصل ہوجائے تو خواہ مخواہ کسی کو شرمندہ کرنے کا کیا فائدہ؟

غلطی کا کفارہ

بہت سی خطائیں اور غلطیاں ایسی ہیں جن کا استدراک ممکن نہیں، ان کے بُرے اثرات ختم کرنے کے لئے شریعت نے کفارات مقرر کئے ہیں، جیسے:

قسم کا کفارہ: **فكفارته اطعام عشرة مساكين....الخ (مائدہ:89)**

ظہار کا کفارہ: **فتحرير رقبة من قبل ان يتماسا....الخ (مجادلہ:3)**

قتل خطاء کا کفارہ: فتحرير رقبة مؤ منة و دية مسلمه.....الخ (نساء:92)

یا رسول اللہ! میں تو برباد ہوگیا۔ کیا ہوا؟ رمضان کے دن میں، میں نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا۔ آپ نے اسے بہت سی کھجوریں دی کہ لو صدقہ کردو۔ (ابن حبان)

ہمیں یہ کرنا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں پر کچھ تاوان اور کفارہ مقرر کریں تا کہ کم ازکم اس کے خیال سے ہی غلطیوں سے باز رہیں، یہ بھی اصلاح کا نہایت عمدہ طریقہ ہے۔

شاید آپ کو یہ شبہ ہو رہا ہو کہ: یہاں تو غلطی سے خوف خدا کی وجہ سے نہیں رُکا جا رہا، بلکہ کفارہ اور تاوان کے ڈر سے؟

لیکن.... بات یہ کہ یہ شبہ اس وقت ہوتا جب غلطی کا لازمی اور آخری نتیجہ یہی کفارہ اور تاوان ہوتا، یہ تو اصلاح کا اور نفس کو روکنے کا ایک ذریعہ ہے، یہ مقصود نہیں۔ جیسے ہم کعبہ کی جانب متوجہ ہوکر نماز ادا کرتے ہیں جب کہ کعبہ مقصود نہیں، وہ تو ایک ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح یہ بھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ شبہ اس وقت درست ہوتا جب یہ تاوان اور کفارہ ہم پر دوسرے کی جانب سے عائد کیا جاتا، یہاں تو ہم خود ہی اِسے عائد کررہے ہیں۔

پھر فرض کے لئے جو چیز وسیلہ ہو وہ بھی فرض ہے، واجب کا وسیلہ واجب بن جاتا ہے۔ مثلاً نماز فرض ہے، اور وضو کرنا وسیلہ ہے، تو وضو بھی فرض ہو جائے گا، اسی

طرح غلطیوں سے باز رہنا اور گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے، اب اگر مجبوراً اور نفس پر بندھن لگانے کے لئے اگر یہ کفارہ اور تاوان وفدیہ کا یہ طریقہ بنالیا جائے تو یہ بہتر ہے اور ایسا کرنا چاہئے۔

بہترین طریقہ

اصلاح کا بہت ہی عمدہ اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ جو غلطی ہو رہی ہے اسی پر تنبیہ کی جائے اور اس کے علاوہ جو کام درست ہیں سب کو برقرار رکھا جائے، نبی ﷺ سے یہ اسلوب بہت زیادہ ثابت ہے کہ آپ نے کسی غلطی کی نشان دہی کی، اس پر سختی فرمائی اور اس پر تنبیہ کی، لیکن اس کے علاوہ جتنی صحیح اور درست چیزیں تھیں سب کو قبول کیا اور مبارک باد دی۔

حکمت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اگر بہت سی چیزوں میں سے ایک چیز بُری ہو اور باقی چیزیں اچھی تو اس بُری بات سے روک کر باقی کام پر جاری رہنے دینا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تنبیہ اس طرح کی جائے کہ معلوم ہو کہ: سارا کا سارا کام غلط ہی ہے۔

ربیع بنت معوذ بنت عفراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری شادی کے دن نبی ﷺ میرے گھر آئے اور میرے بستر پر تشریف رکھا، ہماری بچیاں دف بجا رہی تھی اور بدر کے شہداء کے فضائل بیان کر رہی تھی کہ کسی ایک نے یوں کہا: **وفينا نبي يعلم ما في غد.** نبی ﷺ نے نکیر فرمائی: اسے چھوڑ دو اور باقی جو کہہ رہی تھی، کہو۔ (بخاری:4001)

یعنی نبی ﷺ نے صرف غلطی کی جگہ اصلاح فرمائی اور باقی کو برقرار رکھا۔ کسی بھی کام میں جو غلطی ہو رہی ہے صرف اس سے منع کریں، اس کے علاوہ جو کام درست ہے انھیں ہونے دیں، ایسا نہ کریں کہ اس غلطی کی وجہ سے پورے کام کو غلط کہہ کر اس سے روک دیں۔

دونوں طرف کا خیال رکھنا

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک وقت میں غلطی کرنے والے کی دو حیثیت ہوتی ہے، ایک حیثیت سے وہ غلطی کرنے والا ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے لگتا ہے کہ اسی کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے۔ایسے وقت میں چاہئے کہ دونوں کا دل رکھا جائے۔مثلاً دو بچے آپس میں لڑ پڑے، اگر ایک کو ڈانٹا جائے تو دوسرے کا دل دکھے گا، اس وقت مناسب یہ ہے کہ دونوں کا دل رکھا جائے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جناب خالد بن الولیدؓ کی شکایت، آپ نے خالدؓ سے فرمایا: خالد! اہل بدر میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ دو، کیونکہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کے لئے خرچ کر دو تو ان کے عمل تک نہیں پہونچ سکتے۔

آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کی تنبیہ فرمائی، لیکن اس طرح خالد کا دل چھوٹا ہو رہا تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کیا: لوگو! خالد کو ایذا ء نہ دو، کیونکہ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہے۔(ابن حبان:7091)

کسی مجلس میں کہیں جانے کے لئے مشورہ ہو رہا ہے، ایک شخص نے کسی جگہ جانے کا کہا، دوسرے نے اس کے خلاف۔اب آپ کو چاہئے کہ کسی ایک کی رائے کی تردید اس طرح نہ کریں کہ اسے تکلیف ہو اور اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہونچے۔آپ کسی کے مشورے پر عمل نہیں کرنا چاہتے تو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں: آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں، آپ کی بات بہت مناسب ہے، لیکن یہاں مجبوریاں یہ ہیں کہ.........

یہ نہیں کہ: آپ کیا سمجھ کے مشورہ دیتے ہیں، پتہ نہیں؟ کبھی تو سوچ کر بولا

کریں، یا یہ کہ: جناب! آپ کے مشورہ میں دم نہیں۔اس طرح کی دل آزار باتیں کرنا اسوۂ رسول کے خلاف ہے۔ہمیشہ دل جیتنے والے اور دل جوڑنے والے بنیں۔دل توڑنے والے نہیں۔متفاعل بنیں، زندہ دل۔

کبھی اس طرح بھی کہ اگر کسی نے کسی کے ساتھ کوئی غلطی کی ہے تو غلطی کرنے والے کو اس کی شان اور فضل وعلم کے کی یاد دہانی کرنا۔مثلاً: آپ کے چھوٹے لڑکے نے بڑے لڑکے کو بُرا بھلا کہہ دیا، اس کی عزت کا پاس ولحاظ نہیں کیا تو چھوٹے لڑکے کی اصلاح کا کارگر طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے کہا جائے: بیٹے! یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں، بڑوں کی عزت کرنی چاہئے، دیکھو یہ تمہارا کتنا خیال رکھتے ہیں اور تم اِن کے درپے آزار ہو۔

ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان کوئی بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمرؓ کو غصہ آ گیا، وہ غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دئے۔ابوبکرؓ ان کے پیچھے پیچھے ......معافی مانگ رہے ہیں، عمرؓ کا گھر آیا اور انھوں نے دروازہ بند کر دیا، ابوبکرؓ نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اس ساتھی نے خود کو مصیبت میں ڈال دیا۔

اسی اثناء...عمرؓ کو اپنے کئے پر شرمندگی ہوئی وہ آئے اور نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ کو ساری بات سنا دی، جب آپ کو ساری بات کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ غصہ ہو گئے، ادھر ابوبکر ﷺ نے آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہنا شروع کیا: یا رسول اللہ! میں نے ہی زیادتی کی۔اور رسول کریم ﷺ فرما رہے تھے: **هل انتم تاركوا لي اصحابي؟ هل انتم تاركوا لي اصحابي.** جب میں نے صدا لگائی تھی: لوگو! میں اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو تم لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا، اس وقت ابوبکرؓ نے ہی میری تصدیق کی۔(بخاری)

نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کے سامنے ابوبکرؓ کی فضیلت بیان فرمائی تاکہ حضرت عمرؓ کو اپنی غلطی کا اندازہ اور احساس ہو جائے۔

عقیدہ میں غلطی

جب کوئی شخص ایسی غلطی میں مبتلا ہو جائے جس کا تعلق خصوصاً عقیدہ سے ہو، قرآن کی متشابہات میں غور وخوض اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہو تو اس وقت نبی ﷺ کا طریقہ ملاحظہ کریں:

ایک دن نبی ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کے اصحاب قدر (تقدیر) کے بارے میں بحث ومباحثہ کر رہے تھے۔ غصہ کی وجہ سے ایسا لگا جیسے نبی ﷺ کے چہرۂ مبارک پر انار کا رس نچوڑ دیا گیا ہو، آپ نے انتہائی غیض وغضب کے عالم میں تنبیہ کی: کیا اسی کے لئے تمہیں بھیجا گیا ہے یا اسی کا حکم دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ اور دوسری روایت میں یہ کہ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: اس چیز پر توجہ رکھو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اس کی پیروی کرو، اور جس سے روکا گیا اس سے مکمل اجتناب و پرہیز۔ (ترمذی:2133)

کچھ لوگ نہایت شدومد سے عوام کے سامنے یہ مسئلہ اٹھاتے ہیں کہ: اللہ کہاں ہے؟ یہ مسئلہ انھیں لوگوں کے پاس بیان کرتے ہیں جنھیں حقیقت حال کی خبر نہیں۔ کسی نے ایک شخص سے یہی سوال پوچھا، اس نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر اُس سائل نے ہی اس سے کہا: اس کا جواب قرآن میں ہے: **الرحمان علی العرش استوی**۔ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ اور اس استواء کی تفسیر اس طرح کی کہ: جس طرح ہم کرسی پر بیٹھتے ہیں اسی طرح اللہ بھی۔ بھلا بتائیں یہ طریقہ درست ہے؟ کیا سلف صالحین سے ایسا منقول ہے؟ کسی نے حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے دریافت کیا: اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: استواء تو معلوم ہے، لیکن کیسے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں۔ اور ہاں...... اس کے

بارے میں سوال کرنا بدعت وضلالت ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مخلوق اور اس کی پیدا کی ہوئی کائنات میں غور وفکر کرو، اس کی ذات میں نہیں۔

چنانچہ اگر کوئی شخص ان جیسے خطاؤں میں ملوث ہو تو اس کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اسے سخت سے سخت تنبیہ کی جائے، یہاں سب سے بڑی مصلحت یہی ہے۔ بادی النظر میں اگر چہ یہ غلطیاں چھوٹی اور عام سی نظر آتی ہیں، لیکن دیکھا جائے تو اس سے ضلالت وگمراہی، دہریت بلکہ کفر تک کا دروازہ کھل رہا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کے پاس اہل کتاب کی کوئی کتاب لے کر آئے اور آپ ﷺ کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا، نبی ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو انھیں میری اتباع کے بناء کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (مسند احمد)

جہاں بات عقیدہ کی ہو وہاں اصلاح وتنبیہ کا یہی طریقہ ہے، ایک شخص نے کسی کو کسی مردے سے مانگتا دیکھا، خود بھی جھک گیا اور قریب تھا کہ سجدہ ریز ہو جاتا۔ کہیں کوئی مزار دیکھا، چادر تنی ہوئی، ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا اور چوم لیا، جیسے وہ حجر اسود ہو۔ لعنتی عمل، شرک۔

آپ اصلاح کیسے کریں؟ خاموش رہیں؟ کہ وقت کا انتظار ہو؟

اب کس وقت کا انتظار ہے؟ جب یہ مزاروں سے اٹھ کر بت کدے میں چلا جائے؟ نہیں! اسی وقت اس کی گردن اٹھا کر.... اسلام یہ نہیں سکھاتا۔ فوری تنبیہ اور سخت ......! مصلحت اب بالائے طاق رکھیں، اس وقت سب سے بڑی مصلحت یہی ہے۔

نبی ﷺ ایسے مواقع پر غضبناک ہو جاتے اور حاضرین صحابہ آپ کے غضب کا ادراک فرما لیتے تھے، اس جیسی غلطیوں پر غصہ کرنا اور سخت تنبیہ کرنا؛ اسلام کے لئے

دل کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔آپ بھی اپنا دل زندہ ہی رکھیں.....دیکھئے کہیں دم نہ توڑ دے۔مصلحت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خاموشی اختیار کر لی جائے، ہمیشہ جھک جانا ہی مصلحت نہیں۔ بلکہ موقف وموقع اور وقت وحالت کے مناسب طریقہ اپنانا اور راستہ اختیار کرنے کا نام مصلحت ہے۔اس وقت اور اس سنگین صورت حال کا تقاضہ ہی یہی طریقہ ہے، اور اس وقت کی سب سے بڑی مصلحت یہی ہے۔
نبی ﷺ نے جس طریقہ کو اپنایا ہے اس سے اچھا اور بہتر کون سا طریقہ ہوسکتا ہے؟

منہ پھیر لینا

منہ موڑ لینا، رخ پھیر لینا، رخ پھیر لینا، Ignore کرنا: غلطی کرنے والوں کی اصلاح وتنبیہ کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے، اگر غلطی کرنے والا بہت قریبی ہو تو اس کے ساتھ یہ طریقہ بہت زیادہ کارگر اور مؤثر ہے۔

میں نے بھائی سے جمعہ کی نماز کے بعد ہی کہا کہ مغرب کے بعد متصلاً مجھ سے سبق پڑھ لینا، وہ نہیں آیا، میں نے دیکھا کہ وہ گیم کھیل رہا تھا اور مجھ سے نظریں چھپا رہا تھا، میں نے کچھ نہیں کہا۔ رات کے کھانے پر...اس نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی، میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔صبح ناشتہ پر پھر اس نے بات کرنا چاہا، میں نے بے توجہی برتی اور اعراض کیا۔ اس نے کہا: بھائی! وہ.....مجھے اس وقت گیم نہیں کھیلنا تھا، غلطی ہوگئی۔

الحمد للہ! بس کرنا کچھ نہ پڑا اور تنبیہ بھی ہوگئی۔ایسے طریقے بھی اصلاح میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔آپ کا اعراض اور آپ کا انھیں Ignore کرنا ان کے دل پر نشتر کی طرح اثر کرتا ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے اپنے چھوٹے بھائی کے متعلق بیان کیا کہ وہ میری عزت نہیں کرتا، عجیب آدمی ہے، ایسا سلوک کرتا ہے جیسے وہ ہی مجھ سے بڑا ہو اور میں اس کا غلام ہوں۔ میں کیا کروں......؟ میں نے سیدھا سا حل بتایا: اس سے اعراض (ignore) کرو، اس کے سوالات کے جوابات میں خاموشی برتو، اس سے ممکن حد تک کنارہ کشی اختیار کرو۔

کچھ دنوں کے بعد....میں نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ جاتے ہوئے دیکھا، ملاقات ہوئی، دونوں بہت خوش تھے، خیر خیریت کے دوران اس کا بڑا بھائی مجھے کنارہ لے گیا اور کہنے لگا: آپ کا طریقہ بہت کارگر رہا، صرف چار دن میں ہی اس کا رویہ بدل گیا، پہلے یہ حاکموں کا سا سلوک کرتا تھا، اب نچھاور سا ہوا جا رہا ہے، اس کے دل پر میرے اعراض کرنے اور منہ موڑنے نے بہت اثر کیا ہے۔

چھوٹی بہن زینب سے فاطمہ نے پوچھا: تمہیں تو ابو نے قرآن یاد کرنے کہا تھا نا؟ زینب نے جواب دیا: تمہیں کیا ہے فاطمہ؟ میں کچھ بھی کروں؟ میری مرضی۔کسی وقت فاطمہ سو رہی تھی، زینب کہہ رہی ہے: اوفطومہ! تمہیں شرم نہیں آتی کیا، ہر وقت سوتی رہتی ہو، تمہیں کچھ بھی عقل نہیں۔فاطمہ نے سمجھایا: زینب! میں تم سے بڑی ہونا بہن؟ بڑوں سے یوں نہیں بولتے، یہ گندی بات ہے۔اس نے جواب دیا: خوب آئی بڑی بننے والی، جاؤ جاؤ، بہت دیکھے ہیں تم سی بڑی۔

فاطمہ نے اس کے علاج کا ایک طریقہ سوچا اور تہیہ کر لیا کہ اس کے ساتھ ایسا ہی کرے گی۔کسی وقت زینب نے پوچھا: آپی! آپی! لیکن یہ کیا؟ فاطمہ تو خاموش۔ آپی سنیں پلیز۔لیکن....فاطمہ امی کی طرف متوجہ ہوگئی۔زینب نے پہلے تو سوچا: اچھا! بڑا نخرہ دکھا رہی ہے، کوئی نہیں! میں بھی اس سے بات نہیں کرتی۔لیکن اس کا دل بے قرار ہے کہ آپی مجھ سے ناراض ہوگئیں، واقعی میں اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں

کرتی ۔آپی! معاف کر دیں نا۔فاطمہ اب بھی خاموش۔

جی ہاں! اسی طرح !بالکل اسی طرح ۔اصلاح اور تنبیہ کا بہت ہی عمدہ طریقہ۔لیکن یاد رہے! یہ طریقہ ہر ایک کے ساتھ مناسب نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے اس رویہ کا غلط فائدہ اٹھانے لگے، یہ طریقہ حساس لوگوں کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہئے۔

نبی ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا، جب یہ لوگ دشمنوں کے پاس پہونچ گئے تو دشمنوں کی جماعت میں کا ایک شخص الگ ہوگیا، ادھر سریہ نبوی کا بھی ایک فرد نکلا ،دشمن کی جماعت سے نکلنے والے نے کہا: میں مسلم ہوں۔اِس نے اس کی بات پر دھیان نہ دی اور تلوار سے........اس کا خاتمہ کر دیا۔

نبی ﷺ کو اس کی خبر پہونچی آپ ﷺ نے اس کے بارے میں سخت بات کہی، جب قاتل کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نبی ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اُس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے تو یہ بات صرف اپنی جان بچانے کے لئے کہی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا بلکہ اس سے منہ موڑ لیا اور خطبہ دینے میں مصروف ہو گئے۔اس نے پھر کہا: یارسول اللہ! اس نے تو یہ بات صرف اپنی جان بچانے کے لئے کہی تھی۔ نبی ﷺ نے پھر اس سے منہ موڑ لیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔اُس شخص سے صبر نہ ہوسکا، اس نے پھر بڑی بے تابی سے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے تو یہ بات صرف اپنی جان بچانے کے لئے کہی تھی۔ نبی ﷺ اس کی جانب متوجہ ہوئے، اس حال میں کہ آپ کے چہرہ پر ناگواری کا اثر تھا، فرمایا: **ان اللہ عز وجل ابی علی لِمن قتل مؤمنا.** آپ نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔(مسند احمد:22490)

نجران سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آئے، ان کے ہاتھ میں سونے کی

انگوٹھی تھی، آپ نے ان سے منہ موڑ لیا اور اس سے کوئی بات نہیں کی، نہ اس سے کچھ پوچھا۔وہ شخص واپس گیا اور اپنی بیوی سے صورت حال بتائی، بیوی نے کہا: شاید تم میں کوئی بات ہو...؟ پھر وہ شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے اپنی انگوٹھی اور اپنا جبہ اتار دیا تھا۔اسے اندر جانے کی اجازت مل گئی، نبی ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اس نے عرض کیا: یا نبی اللہ! اس وقت جب میں آیا تھا تو آپ نے مجھ سے اعراض کرلیا؟ آپ نے جواب دیا: تم میرے پاس اس حال میں آئے تھے کہ تمہارے ہاتھوں میں انگارہ تھا۔پھر نبی ﷺ نے اس کی درخواست پر صحابۂ کرام کے سامنے یہ واضح کر دیا کہ: میں نے اس سے سونے کی انگوٹھی کی وجہ سے منہ پھیرا تھا اور کوئی ناراضگی نہیں۔(احمد:1124)

وقتی قطع تعلق

ہجر یعنی تعلق کو کچھ دن کے لئے ختم کر دینا بھی اپنے اندر ایک واضح اثر رکھتا ہے، خصوصاً جب آدمی کوئی بڑی غلطی اور عظیم خطاء کا ارتکاب کرے، وجہ یہ ہے کہ ہجر کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کے سبب غلطی کرنے والا لوگوں سے دور ہونے لگتا ہے، لوگ نہ اس کے ساتھ اٹھتے ہیں نہ بیٹھتے ہیں، نہ خرید وفروخت کرتے ہیں نہ ہی اور کوئی معاملہ۔ بلکہ اس سے بچتے رہتے ہیں، اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، اس کے پاس سے جلدی سے گذر جاتے ہیں۔اس سے غلطی کرنے والے کے دل پر بڑا اثر مرتب ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کے ساتھ یہی اسلوب مناسب ہوتا ہے۔اس کا استعمال خصوصاً اس وقت زیادہ مناسب ہوتا ہے جب غلطی کرنے والے کو زبانی تنبیہ کی جا چکی ہو پھر بھی وہ باز نہ آیا ہو۔ہجر شرعی دو طرح کے ہیں:

ایک اعراض تو منکرات کو دیکھ کر کرنا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ **واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنهم....** (الانعام:68) جب آپ ان کو میری آیات میں غور وخوض (انکار اور کفر کے لئے) کرتے دیکھیں تو ان سے اعراض کریں.....

آپ کو ایسا لگ رہا ہوگا کہ ہجر یعنی کسی مسلمان سے تعلق اور سلام وکلام بند کر دینا تو حرام ہے؟ تو یہ کیسا ہجر ہے؟ جی ہاں!

اصل تو یہ ہے کہ ہجر حرام ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: **لا یحل لمسلم (او لرجل) ان یهجر اخاه فوق ثلاث لیال (ایام) یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا، وخیرهما الذی یبدأ بالسلام.** (بخاری) کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تعلق ختم کردے، پھر دونوں آس پاس سے گذریں اور وہ اِس سے منہ موڑے اور یہ اُس سے، اُن دونوں میں سے اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کردے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے: سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، اس دن ہر شخص کو بخش دیا جاتا ہے سوائے اس کے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو اور وہ شخص جس کے اور اس کے درمیان دشمنی اور قطع تعلق پایا جاتا ہو، ان دونوں کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے: **انظروا الی هذین حتی یصطلحا** (تین بار) (مسلم:6709)

ان سب احادیث سے ہجر اور قطع تعلق کی حرمت کا پتہ چلتا ہے لیکن.....غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہجر اور قطع تعلق وہ حرام ہے جو اپنے نفس اور اپنی ذات کے لئے ہو، اس لئے یہ فرق سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے لئے ہجر اور تعلق ختم کرنا مأمور بہ ہے اور غلطی کرنے والے کی تربیت کے لئے ہے جو اس کا علاج ہے، اور نفس کے لئے حرام۔

بلاشبہ اللہ کے لئے کسی سے تعلق وقربت ختم کر دینا جہاد فی سبیل اللہ کے قبیل سے ہے اور عقوبات شرعیہ میں سے ہے: غزوۂ تبوک میں تین پاک صاف سچے صحابہ پیچھے رہ گئے تھے، نبی ﷺ نے ان سے سلام کلام ختم کرلیا، صحابہ کو بھی ان سے تعلقات ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

آپ اس ہجر کو کس خانہ میں ڈالیں گے؟ ظاہر ہے یہ ہجر اللہ کے لئے تھا، عقوبت اور سزا کے طور پر تھا، اس لئے یہ جائز ہے بلکہ اچھا اور بہتر ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن زبیر سے بہت دنوں تک قطع تعلق رکھا، صرف اس لئے کہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا: ان کا ہاتھ روکنا ہوگا (یعنی صدقات وغیرہ سے) حضرت ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو جنازہ پر ہنستے ہوئے دیکھا، آپ نے اس سے فرمایا: جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے ہنستے ہو؟ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

ایک صحابی نے اپنے بچے سے فرمایا کہ یہ کھیل نہیں کھیلنا چاہئے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، وہ آگے چلے گئے تو یہ بچہ پھر اسی کھیل میں مشغول۔ وہ آئے اور فرمایا: میں تمہیں حدیث رسول سناتا ہوں اور تم پھر بھی.........خدا کی قسم! میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

جب کبھی حالات اور مواقع یہ کہیں کہ اس شخص کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس سے گفتگو اور کلام وتعلق بند کر دیا جائے، اسی سے رجوع الی الحق عمل میں آئے گا تو اس وقت.... یقیناً ایسا ہی کرنا مصلحت ہے، یہی حالات کا تقاضہ ہے، یہی اسوۂ رسول ﷺ ہے۔

دعاء

دعاء یعنی: **الرغبة الی اللہ فیما عندہ من الخیر والابتھال الیہ بالسوال. یا"طلب ما ینفع الداعی وطلب کشف ما یضرہ او دفعہ.** دعاء کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگنا جو اس کے لئے نفع بخش ہو اور اس اس کی پریشانیوں کو ختم کردے۔

دعاء بہت عظیم الشان چیز ہے جس کا نفع بہت عمیم ہے، اسی وجہ سے اس کو عبودیت کے بڑے مقام میں رکھا گیا ہے، کیونکہ اس میں عاجزی وانکساری اور رجوع الی اللہ کا اظہار واعتراف ہوتا ہے: **الرسول ﷺ یقول: ان الدعاء ھو العبادۃ(عن النعمان بن بشیر)** دعاء عبادت ہے۔ **وقال ربکم ادعونی استجب لکم، ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین(الغافر : 60)** تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں تمہارا مانگنا قبول کروں گا، اور جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ آپ اگر سیرت نبی ﷺ پر سرسری نگاہ بھی ڈالیں تو دیکھیں گے کہ آپ ﷺ کی نماز کے تمام ارکان واجبات بلکہ سنن ونوافل میں بھی خاص دعائیں منقول ہیں، اسی طرح زکاۃ وروزہ اور حج بلکہ تمام عبادتوں میں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: **لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء.** اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں دعاء کی اہمیت وفضیلت اور بندوں کو اس کی حاجت و ضرورت کا بیان ہے، حتیٰ کہ یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ بسا اوقات غلطیوں کی تصحیح کرنے میں اس کی ضرورت کی پڑتی ہے کہ غلطی کرنے والے کے لئے دعاء کی جائے۔

ایک دن حضور ﷺ اپنی مجلس مبارک میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما

تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کی تلاش میں ہو، اس کی نگاہ جیسے ہی آپ ﷺ پر پڑی، وہ آپ کی طرف آنے لگا، توقع یہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کی نصیحت آمیز باتوں کو سنے گا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اس نوجوان نے آپ ﷺ کو دیکھا اور پوری جرأت سے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے........ مجھے اجازت دیجئے زنا کی۔

حیرت وتعجب ہے! لیکن اس نے یہی بات کہی تھی۔ یارسول اللہ! مجھے زناء کی اجازت دیجئے!

حضور ﷺ نے اسے دیکھا....رسول اللہ ﷺ اسے قرآنی آیات کے ذریعہ سمجھا سکتے تھے، مختصر سی نصیحت میں اسے اس کے ایمان کا احساس دِلا سکتے تھے، لیکن رسول کریم ﷺ نے کچھ اور ہی طریقہ اختیار کیا، آپ نے انتہائی نرمی سے اُس سے پوچھا: کیا تم اِس بات پر راضی ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ وہ بھڑک اٹھا اور کہا: ہرگز نہیں، آپ ﷺ نے کہا: اسی طرح کسی کو بھی یہ گوارا نہیں کہ کوئی اس کی ماں کے ساتھ زنا کرے، پھر آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ زنا کرے؟ وہ مشتعل ہوکر بولا: نہیں، پھر آپ نے پوچھا: آپ کی پھوپی کے ساتھ؟ آپ کی خالہ کے ساتھ؟ وہ نوجوان سب میں ''نہیں نہیں'' کرتا رہا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: تو جو تم ''اپنے لئے'' پسند کرتے ہو، وہی ''دوسروں کے لئے'' بھی پسند کرو اور جو تم خود کے لئے ناپسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔

اب اس نوجوان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے نہایت خضوع سے کہا: یارسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو پاک کردے، آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی، وہ نوجوان آپ کے قریب ہونے لگا

اور اتنا قریب ہوا کہ آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا: اے اللہ! اِس کے دل کو ہدایت دے، اِس کے گناہ کو معاف کردے اور اِس کی شرمگاہ کو بُرائیوں سے بچادے، پھر وہ نوجوان یہ کہتا ہوا وہاں سے نکلا: واللہ! جب میں محمد ﷺ کے پاس گیا تھا تو میرے نزدیک زنا سے زیادہ محبوب چیز کچھ نہیں تھی اور جب میں اُن کے پاس سے واپس جارہا ہوں تو اِس وقت میرے نزدیک زنا سے زیادہ ناپسندیدہ و مبغوض چیز کچھ نہیں ہے۔(مسند احمد22265)

اس میں نبی ﷺ نے غلطی کرنے والے کے لئے دعاء فرمائی۔صرف دعاء ہی نہیں، بلکہ اس کو اپنے قریب کیا اور قریب کیا، پھر اس کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعاء کی۔اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ واللہ! جب میں محمد ﷺ کے پاس گیا تھا تو میرے نزدیک زنا سے زیادہ محبوب چیز کچھ نہیں تھی اور جب میں اُن کے پاس سے واپس جارہا ہوں تو اِس وقت میرے نزدیک زنا سے زیادہ ناپسندیدہ و مبغوض چیز کچھ نہیں ہے۔

کبھی کبھی چھوٹی موٹی بددعاء جیسی بات اس نیت سے کہہ دینا کہ غلطی کرنے والا متنبہ ہوجائے؛ بھی مفید ہے۔

ایک شخص کو رسول کریم ﷺ نے دیکھا کہ قربانی کا جانور ہانکے لئے جارہا ہے جب کہ خود اس کے پیچھے چل رہا ہے، آپ نے اس سے فرمایا: سوار ہوجاؤ۔اس نے کہا: یہ قربانی کا جانور ہے اور پرسوار نہ ہوا۔آپ ﷺ نے دوبارہ کہا: سوار ہوجاؤ۔ وہ پھر بھی سوار نہ ہوا۔آپ نے فرمایا: تیرا ناس ہو! سوار ہوجا۔(بخاری:1689)

جاہلیت میں قربانی کے جانوروں پر سوار ہونا گناہ سمجھا جاتا تھا، اسی لئے وہ شخص سوار نہیں ہورہا تھا، تو آپ نے اسے ”ویلک“ ”تیرا ناس ہو“ کہہ کر اس کی تنبیہ فرمائی۔

غیر مقبول عذر

بہت سی بار ایسا ہوتا کہ کسی شخص نے غلطی کی اور آپ نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کے ارادہ سے کچھ کہا، اب وہ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے اور اس کے ازالہ کرنے کے، ایسے اعذار پیش کرنے لگتا ہے جو خوساختہ اور غیر مقبول و ناپسندیدہ ہوتے ہیں، انھیں یہ لگنے لگتا ہے کہ کسی کو میری غلطی کی خبر نہ ہو، وہ یہ چاہتے ہیں کہ سامنے والے کے دل سے کسی بھی طرح یہ بات نکل جائے کہ میں غلطی پر تھا۔اگر ایسا کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش آجائے اور ایسے شخص سے واسطہ پڑے تو آپ اِس وقت کیا کریں گے......؟

آئیں میں آپ کو حدیث شریف میں اس کا ایک موقف بتاتا ہوں۔حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ خواتؓ بن جبیر کا بیان ہے کہ: ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ مرالظہر ان میں فروکش تھے، ناگاہ میری نظر کچھ حسین عورتوں پر پڑی، مجھے وہ بہت پسند آئیں، میں واپس لوٹا اور اچھا جوڑا پہن کر آیا، پھر اُن کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرنے لگا۔

نبی ﷺ کا اِدھر سے گذر ہوا، آپ نے مجھے دیکھ کر دریافت کیا: عبداللہ! یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے جب آپ کو سامنے پایا تو جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا: یارسول اللہ! میرا اونٹ بدک گیا تھا، میں اس کا پیچھا کررہا ہوں۔آپ ﷺ نے مجھے اپنی چادر دی اور آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ وضوء کرکے تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: عبداللہ! تیرے اونٹ کے

بدکنے کا کیا بنا؟ پھر ہم نے وہاں سے کوچ کیا، آپ ﷺ راہ میں مجھ سے جہاں بھی ملتے، تو فرماتے: عبداللہ تیرے اونٹ کے بدکنے کا کیا بنا؟

جب میں نے یہ منظر دیکھا تو وہاں سے جلدی مدینہ آیا، مسجد اور آپ ﷺ کی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کی، کچھ دنوں بعد میں مسجد آیا، میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، اِدھر نبی ﷺ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھی، میں نے اپنی نماز اس خیال سے لمبی کر دی کہ نبی ﷺ نماز پڑھ کر واپس تشریف لے جائیں اور مجھے کچھ نہ کہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عبداللہ! جتنی لمبی نماز چاہو پڑھو، میں تو اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تمہاری نماز مکمل نہ ہو جائے۔

اب تو...... میں نے اپنے دل میں کہا: بخدا! میں نبی ﷺ سے معذرت کرلوں گا اور اپنی طرف سے آپ کا دل صاف کر دوں گا۔ جب نماز پوری ہوگئی تو نبی ﷺ نے کہا: السلام علیک ابا عبداللہ! تیرے اونٹ کے بدکنے کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا، میرے اسلام لانے کے بعد سے کبھی میرا اونٹ نہیں بِدکا۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں کبھی کچھ نہیں کہا۔ (طبرانی: 4038)

یہاں غلطی کرنے والا کا عذر بہت ہی زیادہ لچر اور پھسپھسا تھا، لیکن نبی ﷺ نے اس پر مناقشہ نہیں فرمایا، اس کے بعد یہ ملاحظہ کریں کہ کس قدر خوبصورت انداز میں نبی ﷺ نے ان کی اصلاح وتنبیہ فرمائی۔ چنانچہ آپ بھی یہی طریقہ اختیار فرمائیں۔

طبیعت وجبلت کی رعایت

بہت سی چیزیں انسان کی جبلت اور طبیعت میں بسی ہوئی ہوتی ہیں اس کی وجہ سے غلطی ہوتی رہتی ہے، مثلاً عورتوں کی غیرت کو ہی لے لیں، اُسے اپنی سوکن سے کس قدر غیرت ہوتی ہے، بسا اوقات ایک بیوی اپنی سوکن کے تعلق سے کچھ ایسا کر گذرتی ہے جو غلط ہوتا ہے، اب اس غلطی کی اصلاح میں آپ کو دھیان رکھنا ہوگا کہ اس بے چاری نے جو غلطی کی ہے اس میں اس کی جبلت اور اس کی طبعی غیرت کا زیادہ حصہ ہے، آپ کو اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس میں صبر و بردباری اور تحمل سے کام لینا ہوگا۔

رسول کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ کے پاس تھے، آپ ﷺ کی کسی دوسری زوجہ نے آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ بھجوایا جس میں کچھ کھانے کی چیز تھی، جب خادم نبی ﷺ کے پاس پیالہ لے کر حاضر ہوا تو اس زوجہ نے جس کے پاس نبی ﷺ تشریف رکھتے تھے، خادم کے ہاتھ پر ایسا مارا کہ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

نبی ﷺ نے کچھ نہ کہا، ان ٹکڑوں کو جمع کرنے لگے، پھر اس گرے ہوئے کھانے کو پیالہ میں جمع کر کے کہنے لگے: غارت امکم. پھر خادم کو روک لیا اور اُن زوجہ سے جہاں آپ ﷺ تھے؛ ایک پیالہ منگوایا اور ٹوٹے پیالہ کے عوض صحیح پیالہ دے کر روانہ کیا۔ (بخاری: 5225)

یہاں نبی ﷺ نے دیکھا کہ پیالہ پر دے مارنے کی یہ غلطی شدت غیرت کی بناء پر ہوئی ہے اس وجہ سے نبی ﷺ نے اس کا خیال اور لحاظ فرمایا، کیونکہ عورت کے دل میں سوکن کی طرف سے کچھ نہ کچھ غیرت ضرور ہوتی ہے۔

ایک بار سیدہ عائشہؓ کے سامنے نبی ﷺ اپنی سب سے پہلی زوجہ حضرت

خدیجہ الکبریٰ کا ذکر فرما رہے تھے کہ عائشہ بول پڑیں: آپ جتنا خدیجہ کا جتنا ذکر کرتے ہیں اتنا کسی کا نہیں، جب کہ آپ کو اللہ نے اس بوڑھی عورت سے بہتر بیویاں عطاء کی، زمانہ قبل وہ مر چکی ہے۔

یہ سنتے ہی نبی ﷺ غصہ ہوگئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اللہ کے پیغمبر! اب میں خدیجہؓ کے تعلق سے کوئی ایسی بات نہ کہوں گی جو آپ کو ناگوار گذرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک دن ہمارے پاس حضرت سودہؓ تشریف لائیں، نبی ﷺ ہم دونوں (عائشہ اور سودہ رضی اللہ عنہما) کے بیچ میں بیٹھے تھے، آپ کا ایک پاؤں میری گود میں اور دوسرا سودہؓ کی گود میں تھا، میں نے سودہؓ کے لئے حریرہ یا خزیرہ تیار کیا۔ پھر ان کے سامنے رکھ کر کھانے کو کہا تو انھوں نے منع کردیا، میں نے پھر کہا: کھالو، ورنہ میں تمہارے منہ پر لگادوں گی۔ انھوں نے پھر بھی انکار کردیا۔

جب پھر میں نے تھوڑا سا حریرہ لیا اور ان کے منہ پر چپوتنے لگی، اِدھر... نبی ﷺ ان کی گود سے اپنا پاؤں ہٹا کر مجھے اپنے پاؤں کے حصار میں لینے لگے، جب ہی موقع دیکھ کر سودہؓ نے پیالہ سے کچھ حریرہ لے کر میرے منہ پر مَل دیا۔ نبی ﷺ مسلسل ہنس رہے تھے۔ (مسند ابو یعلیٰ: 4476)

ایک بار کسی سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی دو ازواج حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ تھیں، نبی ﷺ رات میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے کہ کسی جگہ پر حفصہؓ نے عائشہؓ سے کہا کہ مجھ سے اونٹ بدل لو، انھوں نے اونٹ بدل لیا۔ نبی ﷺ نے عائشہؓ کا اونٹ دیکھا تو اس میں سلام کر کے سوار ہوگئے، اس میں تو عائشہؓ کے بجائے حفصہ تھی، آپ نے کچھ بھی نہ فرمایا۔

اِدھر جب رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ کے اونٹ میں جس میں حضرت

عائشہؓ تشریف فرما تھیں، نہیں آئے اور عائشہؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تو انھوں نے اپنا پاؤں گھاس میں ڈال دیا اور کہنے لگی: اے خدا! کسی کو بچھو یا سانپ کو میرے پاس بھیج دے جو مجھے ڈس لے۔ (مسلم: 6451)

یہ سب مواقف اس امر کے شاہد ہیں کہ جو چیزیں کسی کی جبلت اور طبیعت میں رچی بسی ہوتی ہے، اور اس کی وجہ کر کسی غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے تو وہاں تنبیہ کرنے میں اس طبعی اور جبلی مجبوری کو پیشِ نظر رکھ کر اصلاح کا عمل جاری کیا جائے۔

زوجین کو چاہئے کہ آپس میں ایک دوسری کی غیرت کا پاس و لحاظ کریں۔ حضرت زبیرؓ کی بیوی حضرت اسماءؓ ایک دفعہ کہیں سے گذر رہی تھی، نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ وہاں آپہونچے، دیکھا کہ بنت ابی بکرؓ بوجھ اٹھائے جارہی ہے، آپ ﷺ نے اونٹ اُن کے قریب کردیا کہ سوار ہوجاؤ، وہ سوار نہ ہوئیں۔ اور اس لئے سوار نہ ہوئیں کہ حضرت زبیرؓ کی غیرت کبھی یہ گوارا نہ کرے گی کہ میں اصحابِ رسول کی موجودگی میں نبی ﷺ کے اونٹ پر سواری کروں۔

اسی طرح مرد کو خاص طور پر بیوی کی غیرت کا پاس ولحاظ کرنے کی ضرورت ہے، مقولہ ہے: عورت کو جب غیرت آتی ہے تو وہ پہاڑ سے کھائی کو نہیں دیکھتی۔ سو خوب خوب دھیان رہے کہ کسی کی اصلاح کرتے وقت اس کی جبلت وفطرت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے تنبیہ کی جائے۔

تنبیہ کرنے میں نرمی

عائشہ! اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں، نرمی کو پسند کرتے ہیں، اور نرمی پر وہ سب چیزیں عطاء کردیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔ یعنی نرمی پر جو ثواب ملتا ہے، سختی اور کسی دوسری چیز پر نہیں۔ نرمی کا مطلب خیر، جو نرمی سے محروم ہے، سچ جانئے وہ خیر سے محروم ہے۔ جس چیز میں بھی نرمی کا استعمال کیا جاتا ہے وہ خوبصورت ہوجاتی ہے، اور جس چیز سے نرمی کو نکال لیا جائے وہ بدنُما ہوجاتی ہے۔

روئی کو کوئی تلوار کاٹ کیوں نہیں سکتی؟ کیوں کہ وہ نرم ہے۔ اصلاح کرنے میں، کسی کی تنبیہ کرنے میں اور کسی کی غلطی پر نشان دہی کرنے میں نرمی کا خاص طور پر لحاظ کرنا چاہئے۔

یہود مغضوب نبی ﷺ کے پاس سے گذرے اور کہا: السام علیک۔ تم پر موت ہو۔ نبی ﷺ نے جواب دیا: وعلیکم۔ تم پر بھی۔ حضرت عائشہؓ نے جیسے ہی یہود کی یہ گستاخی دیکھی، غصہ میں کہا: تم پر موت ہو اور اللہ کی پھٹکار ہو۔ نبی ﷺ نے عائشہؓ کی اس سختی اور شدت کی اصلاح کی: رُکو بھی عائشہ! یقیناً اللہ پاک نرم ہے اور ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے نہیں سنا جو وہ کہہ رہے تھے کہ: تم پر موت ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا: عائش! کیا تم نے بھی نہیں سنا میں نے کہا: تم پر بھی؟ (بخاری: 6024)

جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کردیا، نبی ﷺ نے نرمی سے سمجھا دیا کہ یہ جگہیں پیشاب کے لئے نہیں بلکہ نماز کے لئے ہیں۔ نماز میں چھینک کا جواب دینے والے کو فرمایا کہ نماز میں اس کی گنجائش نہیں۔ نبی ﷺ کے

54

نصائح اور تنبیہات پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے یہ نکتہ بہت نمایاں طور پر سامنے آتا ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ تنبیہات اور نصائح میں نرمی برتتے تھے۔

''آپ کو شاید اس بات کا تجربہ ہوگا کہ جو استاد بچوں کو زیادہ مارتا ہے، بچے صرف اس سے ڈرتے ہیں، اس کا رعب و دبدبہ نہیں رہتا، لیکن جو استاد مارتا نہیں، بلکہ حسین انداز میں اپنی بات پیش کرنے کا عادی ہوتا ہے تو لڑکوں کے دل میں ایک تو ان کی عزت رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ ان کا رُعب بھی بنا رہتا ہے۔

تین شخص نے اپنے اپنے لڑکے کو امتحان کے زمانے میں گیم کھیلتے ہوئے دیکھا، تینوں نے اپنے اپنے لڑکوں کو اپنے انداز میں تنبیہ کی۔

پہلے نے اپنے لڑکے سے کہا: اے لڑکے! امتحان سر پر ہے، اس بکواس کو اٹھا کر رکھو اور امتحان کی تیاری کرو، ورنہ فیل ہوجاؤ گے تو اپنا سمجھنا۔ دوسرے نے کہا: او گدھے! امتحان کی تیاری کرو، ورنہ اگر تم امتحان میں ناکام ہوگئے تو میں تمہیں اچھی طرح پیٹوں گا، اور ہاں! کان کھول کر سن لو، تمہارے پیسے بھی بند کردئے جائیں گے۔ تیسرے نے کہا: بیٹے! اگر امتحان کی تیاری کرو تو یہ گیم کھیلنے سے زیادہ اچھا ہوگا۔ ٹھیک ہے نا؟ آپ بتائیں کہ ان تینوں میں سے کس کا اسلوب وطریقہ سب سے زیادہ عمدہ ہے؟ یقیناً تیسرے کا۔ کیونکہ اس نے اپنی بات کو بہتر انداز وشکل میں پیش کی۔'' (اقتباس: زندگی نہ ملے گی دوبارہ)

جی ہاں! یقیناً نرمی اور نرمی۔ نرمی ایک نعمت ہے، نرمی سے نہ صرف غلطی کرنے والے کی اصلاح ہوجاتی ہے بلکہ اس کے دل ودماغ میں اصلاح کرنے والے کی عزت وعظمت بھی آتی ہے، وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اسے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ''اِنھوں نے مجھے اتنی محبت سے سمجھایا ہے، اگر میں ان کی بات نہ مانوں تو یہ بہت بُری بات ہوگی''۔

حکمت

اُدع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة. حکمت کا مطلب: **اصابة الحق بالعلم والعقل.** کہ علم اور خداداد عقل کے ذریعہ حق اور صحیح تک پہونچ جانا حکمت ہے۔

نبی ﷺ تمام لوگوں بلکہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حکمت والے اور سب سے بڑے حکیم ہیں۔ آپ نے اسی حکمت کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو موہ لیا، ان کی محبت و وارفتگی پالی کہ صحابہ کہتے: آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم آگ کے دریا میں چھلانگ لگا دیں تو واللہ ہم اس سے گریز نہیں کریں گے۔ نبی ﷺ کی سیرت میں آپؐ کے اقوال و افعال پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپ ہر کام میں حکمت استعمال فرماتے تھے، اور کیوں نہ کرتے جب کہ آپ کو خصوصی طور پر حکمت سے نوازا گیا تھا۔

خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ایک دن جبریلؑ تشریف لائے، میرا سینہ چاک کیا، اور میرے دل کو زم زم کے پانی سے دھویا، پھر ایک سونے کا طشت لایا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، اس کو میرے سینہ میں ڈال دیا، پھر میرا سینہ بند کر کے اصلی حالت پر کر دیا..........۔ (بخاری مکنز:1636)

اللہ نے فرمایا: جسے حکمت عطاء کر دی اسے بہت زیادہ بھلائیوں سے نواز دیا گیا۔ فضلؓ بن عباسؓ نبی ﷺ کے ساتھ سواری پر تھے کہ ایک عورت آئی، فضلؓ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے اور وہ عورت فضلؓ کو۔ (فضلؓ بن عباس بہت خوبصورت تھے، وہ وسیم تھے، وسیم: ایسا لڑکا جس کی طرف عورتیں مائل ہوتی ہوں) نبی ﷺ نے فضلؓ کا چہرہ دوسری جانب کر دیا۔ پھر اس عورت نے کسی مسئلہ کا حکم دریافت کیا

جس کا رسول پاک ﷺ نے جواب دیا۔ (بخاری:1513)

اس میں نبی ﷺ نے حکمت کا استعمال کیا کہ صرف فضلؓ کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا، اُنھیں احساس بھی ہوا کہ میں غلطی کر رہا تھا، عورت کو بھی محسوس ہوا ہوگا کہ میں اِسے کیوں دیکھنے لگی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وضو کرنے میں کچھ اصحاب کی ایڑیاں خشک رہ گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو تین بار کہا: ہلاکت ہے خشک ایڑیوں کے لئے۔ (مسلم:593)

اے اللہ! صرف مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما، اور کسی پر نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے تو ایک کشادہ چیز کو تنگ کر دیا۔ (بخاری:5664) جی! حکمت کا استعمال! اگر آپ یہ کہتے کہ: یہ کیا جنون ہے؟ اور کسی پر رحمت کیوں نہیں؟ اگر رسول ﷺ انھیں ڈانٹ دیتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا، لیکن نبی ﷺ نے حکمت کا استعمال کیا کہ تنبیہ اور اصلاح بھی ہوگئی اور اس اعرابی کا دل بھی نہ ٹوٹا۔

الموعظة الحسنة

موعظت یعنی ایسے طریقہ پر خیر اور اچھائی کی یاد دہانی کرنا کہ دل پر رقت طاری ہو جائے، اور اسے عمل پر آمادہ کردے۔ موعظۃ حسنہ کا مطلب ہے کہ ایسی بات کہنا جو سننے والے کو بھی اچھی لگے اور وہ بات فی نفسہ بھی اچھی ہو۔ یا یوں کہہ لیں کہ: ترغیب وترہیب کے ساتھ امر ونہی کرنا۔

رسول کریم ﷺ اپنے اصحاب کو مواعظ حسان فرماتے تھے، کتب احادیث میں حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ: ایک دن نبی ﷺ نے صبح کی نماز کی پڑھائی پھر ہماری جانب متوجہ ہوئے اور ایسی نصیحت فرمائی جس سے ہمارے دل کانپنے لگے، آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو گویا الوداعی نصیحت ہے، آپ ہمیں وصیت فرمادیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور امیر کی بات سننے کی اور اس کی فرماں برداری کی۔ گرچہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہی ہو۔ اور ہاں سنو! تم میں سے جو کچھ دنوں بعد تک موجود رہے گا وہ اس امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا تو تم لوگ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامے رہیو، دین میں داخل کئے جانے والی نئی چیزوں سے بچتے رہنا، کیونکہ دین میں داخل کی جانے والی نئی چیز (بدعت) گمراہی ہے۔ (ابوداؤد: 4609)

رسول کریم ﷺ نے ایسی نصیحت فرمائی کہ اصحاب کے دل پر اثر ہوا اور ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، کیونکہ رسول کریم ﷺ کی نصیحت وموعظت اچھی تھی اور

دل پر اثر کرنے والی۔ دل والوں کی بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں جا کر جگہ بنا لیتی ہے۔

مؤثر نصیحت وموعظت کے کچھ آداب ہیں، ہم اُن آداب کی پرواہ کرتے ہی نہیں اور چاہتے کہ اس کا خاطر خواہ اثر دیکھیں۔ گرمی کے دنوں میں یہاں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں، کچھ لوگوں کا معمول ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد ہلکی سے تلاوت کر کے سو جاتے ہیں، ایک صاحب تشریف لائے، فجر کے بعد حاضرین کو ٹھہرا لیا اور تقریر شروع کی، ابتداء میں انھیں لوگوں کی طرف سے توجہ ملتی رہی، لیکن رات چھوٹی، ابھی تو سونے کی عادت۔ سامعین اونگھنے لگے، اب وہ اِنھیں جگا رہے ہیں: بھئی! بس دس منٹ کی بات ہے، توجہ سے سنیں۔ اور یہ دس منٹ کئی بار گذر چکے لیکن ان کی بات جاری ہی رہی، اِدھر اکثر لوگ اونگھنے میں مشغول۔

ان جیسے مواقع پر کی گئی نصیحت ''موعظت حسنہ'' میں شمار نہیں کی جاسکتی، نبی ﷺ اپنے اصحاب کو ایسی نصیحت فرماتے تھے جس سے وہ اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔

ہر سال ایک بار جلسہ کا سیزن شروع ہوتا ہے، ہر رات جلسہ، آج یہاں، کل دوسرے محلّہ میں، پرسوں تیسرے محلّہ میں، دور دور سے مقررین بلوائے جاتے ہیں، پوری پوری رات جلسہ ہوتا رہتا ہے، اس میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں: سب سے پہلی چیز نیت ہے۔ جس کے تعلق سے بس اتنا ہی عرض ہے کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کے منہ سے سنا، جو اِن جیسے جلسوں کے اعلیٰ منتظمین میں شمار کئے جاتے ہیں کہ: ہم تو اپنے یہاں کا جلسہ ایسا کروا رہے ہیں کہ وہاں کا جلسہ اِس کے مقابلہ میں زیرو ہوگا، ارے بھائی! ہم تو فلاں جگہ سے فلاں کو بلوا رہے ہیں۔ یعنی نیت نمائش کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جلسوں کا مقصد لوگوں کو دین کی طرف بلانا ہوتا ہے،لیکن اِن جیسے جلسوں میں یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے،اس کا مقصد نمود ونمائش کی طرف مڑ جاتا ہے۔

پھر رات بھر کے جلسہ میں یہ مرض شدت اختیار کر چکا ہے کہ صبح کی اذان سے قبل جلسہ ختم ہوگیا، کچھ لوگ جلسہ گاہ میں ہی پڑ کر سوگئے، کچھ لوگ گھروں کو روانہ ہوئے، رات بھر دین کی باتیں سنی اور صبح نمازِ فجر کھا گئے۔

اِن جلسوں میں بے پردگی بلکہ عریانیت اور فحاشی کا مظاہرہ بھی خوب ہوتا ہے،عورتیں یوں بن سنور کر آتی ہیں جیسے کسی بیاہ شادی میں شرکت کی غرض سے جارہی ہوں۔ اِن مواقع پر چوری کی واردات بھی کثرت سے ہوتی ہیں۔

ایسے جلسہ کی کوئی نظیر قرآن وحدیث میں نہیں ملتی، یہ جلسے عموماً سامعین کو اکتاہٹ میں مبتلا کردیتی ہیں،ایک مقرر کی تقریر لوگوں کو پسند نہیں آئی، کسی نے کہہ دیا: کیا بکواس کرر ہا ہے یار؟ میں نے سنا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ یہ شخص دین کی باتوں کو بکواس کہہ رہا ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ شخص ایسا بولنے پر مجبور کیوں ہوا؟

حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ کے دروازہ پر ان کا انتظار کررہے تھے، جب حضرت عبداللہؓ باہر تشریف لائے تو انھوں نے فرمایا: میں اس لئے نہیں آرہا تھا کہ کہیں تم اکتاہٹ میں مبتلا نہ ہوجاؤ۔ نبی ﷺ ہمیں کبھی کبھی نصیحت فرماتے (روزانہ نہیں) کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔(بخاری:6411)

اِن صفات کی نصیحت ''موعظتِ حسنہ'' کہلاتی ہے، نبی ﷺ کسی کی خطاء پر تنبیہ کرنے اور غلطی کرنے والے کی اصلاح کرنے میں بھی موعظت حسنہ اختیار فرماتے۔

حضرت ابومسعود بدریؓ فرماتے ہیں کہ میں غصہ میں اپنے ایک غلام کو کوڑے

سے پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی ''ابومسعود جان لو' ابومسعود جان لو''، لیکن میں غصہ میں تھا اور آواز نہیں پہچان سکا، جب وہ آواز قریب سے آنے لگی تو میں نے دیکھا کہ یہ تو رسول کریم ﷺ ہیں، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ابومسعود جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہیں جس قدر تم اپنے اس غلام پر قادر ہو۔ابومسعودؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اب میں اس کے بعد کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔(مسلم:4396)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے ابومسعود بدریؓ کو ایک مختصر سی نصیحت فرمائی لیکن اس کا انداز اس قدر عمدہ تھا کہ فوراً اُن کے دل پر بات اثر کرگئی، نبی ﷺ نے انھیں ایک چھوٹے سے جملے کے ذریعہ مملوک اور غلام پر نرمی، غصہ پینے، تحمل وبردباری کا سبق دے دیا اور یہ یاددہانی بھی کردی کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ قدرت والے ہیں۔اسی طرح موعظت ونصیحت کی جاتی ہے۔

تنبیہ سے پہلے تعریف

تعریف وثناء یعنی: کسی کے محاسن اور خوبیوں کو اچھی طرح سے بیان کرنا۔ یہ تعریف بھی دوطرح کی ہوتی ہے، ایک تو مباح ہے جس تعریف میں سچائی، توسط و اعتدال سے کام لیا جائے۔ رسول کریم ﷺ تمام تعریفوں کے اہل اور لائق تھے لیکن آپ نے خود اپنے تئیں بھی رہنمائی کی: **لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم، فانما انا عبده فقولوا عبدا لله و رسوله"** اطراء یعنی تعریف میں غلو کرنا اور حد سے زیادہ آگے بڑھ جانا۔ یعنی میری تعریف میں ایسے غلومت کرو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے حق میں کیا، میں صرف اللہ کا بندہ ہو تو مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہو۔

اسی طرح وہ تعریف بھی مباح نہیں جس کی وجہ سے آدمی غرور و کبر اور استعلاء میں مبتلا ہو جائے، ایسی تعریف بھی ممنوع ہے، حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے کسی کی تعریف کی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنے دوست کی گردن توڑ دی۔ آپ نے اس جملہ کو کئی بار فرمایا۔ پھر فرمایا: اگر تم میں سے کوئی کسی کی تعریف ہی کرے تو یوں کہے: میں اس شخص کو ایسا سمجھتا ہوں، باقی بہتر علم اللہ کے پاس ہے۔ میں اللہ کے سامنے کسی کی صفائی نہیں جتاتا، بس میں اپنے علم میں ایسا ایسا گمان کرتا ہوں۔ (بخاری: 2662)

نبی ﷺ نے ایسی تعریف کرنے سے منع کیا ہے جس سے سننے والا غرور میں پڑ جائے، بسا اوقات آدمی اپنی تعریف و توصیف اور شہرت پر بھروسہ کر کے عمل میں کوتاہی برتنے لگتا ہے، وہ اپنی تعریف کروانے کے لئے ریاء اور دکھلاوا کے لئے کام کرنے لگتا ہے جو شرک ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے "تعریفِ مذموم" کے آفات میں لکھتے ہیں کہ "کبھی تعریف کرنے والا بہت غلو سے کام لیتا ہے اور تعریف میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو "ممدوح" کے اندر نہیں ہوتی، اس طرح وہ جھوٹا ہو جاتا ہے، اور کبھی وہ اپنی تعریف میں ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی تو اندر کچھ اور باہر کچھ، اس طرح وہ تعریف کرنے والا شخص منافق بن جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ ظالم یا فاسق ہوتا ہے تو تعریف کرنے والا ظالم و فاسق کی مدد کرنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور جس کی تعریف کی جارہی ہے اس کے اندر کبر اور خود پسندی آجاتی ہے، اور یہ دونوں چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

کسی کی تعریف کرنا فی نفسہٖ مذموم اور بُرا نہیں، تعریف کی جاسکتی ہے لیکن حد میں رہتے ہوئے، خود رسول کریم ﷺ نے کئی لوگوں کی تعریف ان کے منہ پر کی۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا ازار ٹخنہ کے نیچے لٹکائے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا تو ابوبکرؓ نے عرض کیا: میرا ازار نیچے ہو جاتا ہے (پیٹ ذرا باہر کو آجانے کی وجہ سے) تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم اُن لوگوں میں سے نہیں۔ (بخاری: 6026)

یہ تعریف کا جملہ ہے کہ "تم ان لوگوں میں سے نہیں"، یعنی تم میں تکبر نہیں۔ یہ اس وقت جب کہ تعریف کئے جانے والا انسان غرور و کبر میں مبتلا نہ ہو، بعض سلف سے منقول ہے کہ جب کوئی ان کی تعریف کرتا تو وہ کہتے: **اللهم لا تؤاخذنی بما یقولون ،واغفر لی مالا یعلمون، واجعلنی خیرا مما یظنون.**

رسول کریم ﷺ لوگوں کی غلطیوں کی تنبیہ اور اصلاح کرنے کے وقت بھی تعریف اور مدح کا اسلوب اختیار فرماتے تھے۔

ایک دن آپ نے دیکھا کہ عمرؓ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے سامنے

آئے، وہاں لوگوں کی بہت بھیڑ لگی ہوئی تھی، عمرؓ چونکہ مضبوط تھے، ضعیف لوگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو آپ نے ان کے سلوک کو نرم بنانے کے لئے کہا: عمر! تم بہت مضبوط آدمی ہو۔ آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی۔ عمرؓ اس تعریف سے خوش ہو گئے پھر آپ نے کہا: حجر اسود کے پاس دھکم پیل مت کرنا۔

ایک بار محمد ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو رات میں نماز پڑھنے کی طرف متوجہ کرنا چاہا تو فرمایا: عبداللہ کتنا اچھا انسان ہے اگر وہ راتوں میں جاگے۔ (بخاری: 1122)

نبی ﷺ نے فرمایا: اشعریین میں جب دانہ پانی کی قلت ہوتی ہے تو جس فرد کے پاس جو کچھ ہوتا سب کو ایک کپڑے میں جمع کرتے پھر آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔ (بخاری: 2486)

''ایک شخص شراب کا کاروبار کر رہا ہے، آپ اُسے اِس قبیح وحرام عمل سے منع کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کی تعریف کریں، اُس کے حقیقی مقام ومرتبہ کو اس کے سامنے پُر وقار انداز میں ذکر کرنے کے بعد اس کو تجارت میں برکت کی دعاء دیں، پھر اس کو حلال روزی کی اہمیت بتائیں کہ اسے یہ احساس ہو کہ آپ صرف اس کے کالے کرتوتوں پر ہی نظر نہیں رکھتے، بلکہ اس کے اچھے کاموں کا بھی نظارہ کرتے ہیں۔

ایک دفعہ محمد ﷺ راستہ چلتے چلتے رُک گئے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر فرمانے لگے: ایک وقت آئے گا جب لوگوں سے قرآن کا علم اٹھ جائے گا، شرعی علوم ناپید ہو جائیں گے اور اس کا سیکھنے سکھانے والا کوئی باقی نہیں رہ جائے گا۔

پس ایک جلیل القدر صحابی حضرت زیادؓ بن لبید انصاری کھڑے ہوئے اور جوش میں آ کر کہنے لگے: یارسول اللہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہم قرآن کو پڑھتے

ہیں؟ ہماری عورتیں اور بچے اس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ یہ نوجوان دین کے معاملہ میں کچھ زیادہ ہی غیرت مند ہیں اور جوش سے پھٹے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ نے اُن کو متنبہ کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: لبید! میں تو تمہیں فقہاء مدینہ میں شمار کرتا ہوں۔ یہ زیاد کی تعریف کی کہ انھیں سب کے سامنے مدینہ کا فقیہ کہا، ان کے روشن پہلو کو بتایا پھر کہا: توریت وانجیل یہود ونصاریٰ کے پاس ہیں لیکن انھیں اس سے کیا فائدہ ہو رہا ہے؟ یعنی اے زیاد! صرف قرآن کا وجود ہی کافی نہیں بلکہ اس کے پڑھنے، اس کے معانی میں غور کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اعتبار ہے۔ (ترمذی 2653)

ذہین بنئے۔ کسی کے صرف غلط کاموں پر ہی توجہ نہ رکھیں، بلکہ اس کی خوبیاں بھی دیکھیں اور اسے بیان کریں۔ تا کہ وہ آپ کے عادلانہ مزاج سے متأثر ہو سکے۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ آپ اُن کی خرابیوں اور خامیوں پر توجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تو وہ آپ کی بات جلدی قبول کریں گے اور آپ اس طرح سے کسی کی خطاء وغلطی پر آسانی کے ساتھ تنبیہ کر سکتے ہیں، چاہے وہ غلطی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مگر اس کا علاج بہر صورت ممکن ہے۔ **ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر.** ہاں! یہ الگ بات ہے کہ آپ اصلاح ہی کی غلط صورت اختیار کر لیں۔'' (اقتباس: زندگی نہ ملے گی دوبارہ۔ محمد عفان عباسی، مطبوعہ: ثاقب بک ڈپو دیوبند)

غلطی کی حقیقت سے باخبر کرنا

بسا اوقات غلطی کرنے والا بہت بڑی غلطی کر جاتا ہے، اس وقت اصلاح و تنبیہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ غلطی کی بڑائی اور اس کی خطرناکی بتا کر اصلاح و تنبیہ کی جائے، اگر آپ دیکھتے ہیں کہ یہ غلطی فرد اور جماعت کے لئے بہت نقصان دہ ہے تو غلطی کرنے والے سے خاص طور پر یہ بات بتائیں، اس پر تھوڑی سختی کریں، اس کے خطرناک انجام سے اسے مطلع کریں، اگر اس سلسلہ میں وعیدیں مذکور ہیں تو اس کی یاد دہانی کریں۔ رسول کریم ﷺ نے بہت سی دفعہ بڑی غلطیوں پر ایسی سخت تنبیہ فرمائی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جماعت کی نماز سے غیر حاضر رہتے ہیں، آپ نے فرمایا: جی چاہتا ہے کہ کسی کو امامت کا حکم کروں پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نمازوں کو نہیں آتے، اور حکم دوں کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔ (مسلم: 1513)

بغیر کسی مجبوری کے جماعت کی نماز ترک کر کے گھر میں نماز پڑھنا ایک خطرناک امر ہے، اگر ہر شخص یہ طریقہ اپنا لے تو مسجدیں کس کے لئے رہ جائیں گی؟ رسول کریم ﷺ نے اسی وجہ سے اس قدر سختی فرمائی، علماء فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

مرض الوفات میں جب تکلیف شدت اختیار کر گئی تو رسول کریم ﷺ نے حکم فرمایا: مجھے کاغذ دو کہ تمہارے لئے کچھ لکھوا دوں، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ حضرت

عمرؓ نے کہا: رسول کریم ﷺ پر درد کی شدت ہے، ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے ہی۔ (یعنی آپ ﷺ کو تکلیف نہ دیں) لوگوں میں اس بات پر اختلاف ہو گیا، آوازیں بڑھ گئیں، رسول کریم نے فرمایا: جاؤ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔ (بخاری: 114)

اختلاف اور جھگڑا ایک خطرناک امر ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ نے مرض وفات میں بھی اس کی خطرناکی بیان فرما دی کہ "میرے پاس جھگڑا کرنا نامناسب ہے" اور یہ خیر سے محرومی کا سبب ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ایسی بڑی غلطیوں پر اسی طریقہ سے تنبیہ کریں، فرض کریں:

دو لوگ آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں، دست و گریباں ہوا چاہتے ہی ہیں کہ آپ پہونچ گئے۔ آپ کیا کریں گے؟

سب سے پہلے انھیں الگ کریں، انھیں خاموشی کی تلقین کریں، پھر ان کی بات سنیں، دونوں کی بات سننے کے بعد کچھ فیصلہ کریں اور جھگڑا کی قباحت و برائی بیان کرتے ہوئے مثلاً یہ کہہ دیں: قرآن میں بہت ساری جگہ تنازع و اختلاف سے بچنے کی بات کہی گئی ہے، جھگڑا اور اختلاف کی نحوست اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ اس کی وجہ سے شبِ قدر کی تعیین ہٹا لی گئی، بھلا بتاؤ! تم دونوں کو قرآن میں بھائی بھائی کہا گیا ہے، کیا اس طرح آپس میں دست و گریباں ہونا مناسب ہے؟"

جب آپ اس غلطی کی قباحت و بُرائی اور اس کی خطرناکی و مضرت بیان کریں گے تو غلطی کرنے والے کا دل یقیناً شرمندہ ہو گا اور وہ دل دل میں اسی وقت سے تائب ہو جائے گا۔ اِن شاء اللہ الکریم۔

علت بیان کرنا

غلطی کی اصلاح یوں بھی ہوتی ہے اور بہت بہتر اصلاح ہوتی ہے کہ غلطی کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ ''یہ غلط اور بُرا کیوں ہے'' اس سے بات دل میں زیادہ جگہ بناتی ہے، رسول کریم ﷺ نے اپنے بعض اصحاب کے ساتھ اس اسلوب کو اپنایا ہے۔

جب غلطی کرنے والے کو کوئی تنبیہ کرتا ہے اور اس کی خطاء سے روکتا ہے پھر اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہے تو مخطی کے دل میں بات آتی ہے کہ ''ہاں واقعی یہ تو غلط ہے''، یعنی غلطی کرنے والے کو اپنی خطاء کا احساس شدت سے ہوتا ہے، اور اصلاح کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ بندہ کو اپنی خطاء کا احساس ہو جائے اور وہ اس سے باز آ جائے۔ اصلاح کا یہ مذکورہ طریقہ نہایت زود اثر ہے۔

تمہیں بے پردہ گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔'' کسی کو پردہ کی تلقین کرنے کے لئے بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے لیکن سننے والی لڑکی یہ سمجھے گی کہ ''اِس سے کیا فرق پڑتا ہے''، لیکن اگر آپ نے اس جملہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ''تمہیں پردہ کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے، کیونکہ پردہ تمہاری عزت وعظمت اور بزرگی کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا، اس کی وجہ سے تم میں اور غیر مسلم لڑکی میں فرق وامتیاز کا پتہ چلے گا، تم ایک قیمتی چیز ہو اور قیمتی چیز ہمیشہ چھپا کر رکھی جاتی ہے، پھر یہ کہ بے پردہ عورتوں کو سخت سزا ملے گی، ان کی جانب نگاہ رحمت نہیں کی جائے گی''

اِن تمام وجوہات بتا دینے کے بعد اب.....اُسے کچھ زیادہ احساس ہوگا کہ

''ہاں واقعی! یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے پردہ کرنا چاہئے''

حضرت رسول کریم ﷺ ابوسلمہؓ کے انتقال پر ان کے گھر گئے، ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تو آنکھیں بند کی اور فرمایا: **ان الروح اِذا قُبِضَ تَبِعَهُ البصر**. ان کے گھر والوں نے چیخ کر رونا شروع کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے لئے صرف خیر ہی کی دعاء کرو، کیونکہ تم جو بھی کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں'' پھر رسول ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کے لئے دعاء فرمائی: **اللھم اغفر لابی سلمة وارفع درجته فی المھدیین واخلفه فی عقبه فی الغابرین واغفر لنا وله یا رب العالمین وافسح له فی قبره ونوّر له فیه**. آمین. (مسلم: 2169)

جب اُن کے گھر والوں نے رونا شروع کیا اور وہ بھی چیخ کر، یعنی نوحہ کرنا شروع کیا، اور یہ نوحہ ایک غلطی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے منع کیا کہ ہمیشہ خیر ہی بولو، لیکن اس کے بعد فوراً نبی ﷺ نے اس کی علت بیان کی کہ ''تم جو بھی کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں'' بلاشبہ یہ انداز دل پر اثر کرنے والا، اوقع فی النفس اور زود اثر ہوتا ہے۔

تجھ پر لعنت ہو! کسی شخص نے اپنے اونٹ پر لعنت کی تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون لعنت کر رہا ہے۔ صاحب نے عرض کیا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ سے اتر جاؤ اور کسی ملعون (جس پر لعنت کی گئی ہے) کو ہمارے ساتھ نہ رکھو، اپنے آپ پر بددعاء نہ کرو (میں برباد ہو جاؤں، ہلاک ہو جاؤں وغیرہ) اپنی اولاد پر بددعاء نہ کرو اور اپنے مالوں پر بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قبولیت کی گھڑی ہو اور تمہاری بددعاء قبول ہو جائے۔ (مسلم: 7705)

نبی ﷺ نے بددعاء سے بچنے کا حکم فرمایا، یہ ایک کافی نصیحت تھی، لیکن رسول کریم ﷺ نے اسے زود اثر اور اوقع فی النفس بنانے کے لئے اس کی علت اور وجہ

بھی بیان کر دی کہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ قبولیت کا وقت ہو اور تمہاری بد دعاء قبول ہو جائے۔اب تو بندہ ڈرے گا بھی کہ کہیں واقعی بد دعاء نہ لگ جائے۔

آپ نے کسی کو بتانا ہے کہ ”فلاں جگہ مت جاؤ“ وہ شخص اس بات کو بہت عام انداز میں لے گا،ممکن ہے آپ کی بات بھول جائے یا نظر انداز کر دے اور چلا جائے۔لیکن اگر آپ نے وجہ بھی بیان کر دی کہ: وہاں یہ یہ خرابی ہے تو اس کا اثر زیادہ پڑے گا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی کھجوریں منہ میں ڈال دی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اوہ! منہ سے پھینکو! جانتے نہیں کہ آلِ محمد صدقہ نہیں کھاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ”اسے منہ سے نکالو“ کہہ کر تنبیہ کر ہی دی، لیکن کہیں وہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کر دیں؛ اس پھینکنے کی وجہ بھی بتا دی کہ ”آلِ محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے“

نفرت دِلا کر

بہت سی دفعہ اس امر کی حاجت ہوتی ہے کہ غلطی کرنے والے کو اس کی غلطی سے نفرت دلائی جائے اور اس کے ذریعہ اُسے اِس خطاء سے دور کیا جائے،سنتِ نبویہ میں اس کی بہت سی مثالیں اور بہت سے مواقف ہیں جس میں نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو کسی کام سے دور کرنے کے لئے اس سے نفرت دلائی۔

وہ شخص خالص منافق ہوگا جس کے اندر اِن چار خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی : جھوٹ،وعدہ خلافی،امانت میں خیانت،جھگڑا کے دوران گالی۔(بخاری34)

ہادیٔ عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اِن صفات سے بچانے کے لئے اِن سے نفرت دلائی، بھلا سوچیں تو اِس کے بعد اب کون شخص ہوگا جو منافق بننا پسند کرے؟ ظاہر ہے اس فرمان کے بعد سننے والے کے دل میں ان صفات سے نفرت آجائے گی کہ ”یہ تو منافق کی پہچان ہے“ چنانچہ وہ اس سے گریز کرے گا۔اسی لئے کسی کو نصیحت کی جائے تو بہتر ہے کہ اگر کسی کام سے روکنا مقصود ہو تو اس وقت اُس چیز سے نفرت دلا دی جائے۔

قرآن کریم میں بھی بہت سی جگہ کسی کام سے روکنے کے لئے اس سے نفرت دلائی گئی ہے:**مثل الذین حملوا التوراة ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا**۔ اللہ تعالیٰ نے بطور نہی وزجر کے ایسا انداز اختیار فرمایا اور انسان کو اس سے نفرت دلائی کہ ”جان کر عمل نہ کرنے کی مثال گدھے جیسی ہے“ اب کون ہے جو خود گدھا بننا پسند کرے؟

اصلاح بالید

اگر کوئی غلطی میں پڑا ہے تو اس کی اصلاح کا ایک ذریعہ بلکہ...سب سے اعلیٰ ذریعہ ہاتھ ہے کہ اس کے کام کو ہاتھ سے ہٹا دیا جائے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: **من رایٰ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ فاِن لم یستطع فبلسانہٖ فاِن لم یستطع فبقلبہٖ ،وذالک اضعف الایمان.**

تغییر بالید اس وقت عمل میں لائے جانے کا حکم ہے جب آپ ہاتھ کے ذریعہ اس چیز کو بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور اس سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ نے تصویر والی چادریں دیکھی اسے پھاڑ دیا۔ تغییر بالید۔

فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ کو پوری قدرت حاصل ہوئی تو مکہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بُتوں کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے گرا یا۔ تغییر بالید۔

حضرت ابن عباسؓ نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے اور آپ کے بائیں کھڑے ہو گئے، آپ نے اپنے ہاتھوں سے انھیں اپنے دائیں طرف کر دیا۔

فضلؓ بن عباسؓ نبی ﷺ کے سوار تھے، ایک عورت آئی تو فضلؓ اسے دیکھنے لگے، نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے فضل کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔ تغییر بالید۔

تغییر بالید کے سلسلہ میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اس وقت ہے جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تغییر بالید ہمیشہ سختی کا ہی تقاضہ نہیں کرتا کہ ہاتھ سے اصلاح کے لئے سختی کی ضرورت ہو، فضلؓ کا چہرہ دوسری جانب کرنے میں رسول کریم ﷺ نے تو نہایت نرمی سے کام لیا۔

غلطی کا بدل عنایت کرنا

وہ تو اس میں ڈوبا ہوا ہے، وہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا، وہ اس سلسلہ میں بہت متشدد ہو رہا ہے، اسے سمجھانا بہت مشکل ہے، بلکہ حد یہ ہے کہ یہ تو اس کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن گیا ہے، یہ متصور ہی نہیں کہ وہ اس کے بغیر زندگی گذار سکے، اس کی صبح وشام اِس کے بغیر گذر ہی نہیں سکتی۔ اس وقت کیا کریں؟ اس وقت اصلاح کا کون سا طریقہ اپنایا جائے؟

قرآن سے دریافت کریں، قرآن کریم میں تو اس کو بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کفار کے ساتھ عید منانے کو ناپسند کیا اور اس سے منع فرمایا، لیکن اس کے بدلہ میں دو عیدیں عنایت فرمادی۔

لوگ نبی ﷺ کو ''راعِنا'' کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا تو اس کا بدل عطاء کیا کہ ''انظرنا'' کہو۔

اس وقت اُس غلط کام کا کوئی اچھا بدل تلاش کیا جائے، جس سے آسانی کے ساتھ وہ عادت ختم ہو سکے۔ ایک بچہ ناول پڑھنے کا بہت عادی تھا، مخربِ اخلاق ناول دیکھ کر ان کے ماموں کو فکر ہوئی، انھوں نے بچہ کو صرف اس سے منع نہیں کیا بلکہ....ان کے لئے نبیوں کے واقعات سہل اور نہایت حسین انداز میں لکھ دیئے۔ یعنی اس کا بدل دیا۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا: میں انسان ہوں اور میرا ذریعۂ معاش میرا ہاتھ ہے، میں اس سے تصویریں بناتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: میں تمہیں اس سلسلہ میں وہی بات کہوں گا جو میں نے

رسول کریم ﷺ سے سنی ہے کہ جس شخص نے کسی کی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اُسے اس میں روح ڈالنے کو کہیں گے اور وہ کبھی اس میں روح نہ دے سکے گا، چنانچہ اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔

یا رب! اب میں کیا کروں؟ اس شخص کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ میری روزی! میری روٹی کا کیا ہوگا؟ حضرت ابن عباسؓ نے اسے تدبیر بتائی: ارے اگر تمہیں تصویریں ہی بنانی ہیں تو اِن درختوں وغیرہ کی بناؤں جس میں روح اور جان نہیں ہوتی۔ (بخاری:2225)

یعنی حضرت ابن عباسؓ نے اسے اِس کے بدل کی جانب رہنمائی کی۔ جب کبھی انسان ایسی چیزوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس کے لئے چھوڑنا انتہائی مشکل ہو تو اس وقت اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اسے اس کا کوئی اچھا بدل دے دیا جائے۔

ایک بار حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، اسی اثناء نبی ﷺ تشریف لے آئے تو لوگ ہاتھوں پر ہاتھ مارنے لگے، جب آواز زیادہ ہونے لگی تو ابوبکرؓ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے ہیں، وہ پیچھے ہٹنے لگے........ نبی ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ہاتھوں پر ہاتھ مارنا تو عورتوں کے لئے ہے۔ یہ مت کرو بلکہ اس کے بجائے سبحان اللہ کہنا چاہئے۔ (بخاری:684)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے تصفیق (ہاتھوں پر ہاتھ مارنے) کا بدل ''سبحان اللہ'' دیا۔

جی ہاں! بہت سی دفعہ بہت سی عادتیں انسان کے مزاج میں سرایت کر جاتی ہیں، اس وقت اسے چھوڑنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، اس کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ خطاء کرنے والے کو اس کا بدل دے دیا جائے کہ اسے اُس غلط کام کی ضرورت ہی نہ رہے۔

غلطی کرنے والے پر غصہ کرنا

ایک غصہ تو مذموم اور بُرا ہے، یعنی نفس کے لئے غصہ کرنا، لیکن..... بہت بار غلطی کرنے والے لوگ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اصلاح کے لئے غصہ تیر بہدف ہوتا ہے، ان کی اصلاح کے لئے غصہ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، سنتِ نبویہ میں اس پہلو کو بھی بہت اجاگر کیا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق فرد سے ہو یا جماعت سے، مگر یہ غصہ اس وقت درست ہوتا ہے جب غلطی کا تعلق محارم اللہ کی پامالی کے قبیل سے ہو، سیدہ عائشہؓ اس نکتہ کو بیان کرتی ہیں: اگر اللہ کے حدود کی پامالی کی جاتی تو نبی ﷺ کا غصہ سخت ہو جاتا۔

کنواری لڑکی اپنے پردہ کے اندر جس قدر حیاء اور شرم والی ہوتی ہے، اس سے زیادہ نبی ﷺ حیادار رہتے، جب آنجناب کوئی ناپسندیدہ چیز کا معائنہ کرتے تو ہم آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر اس کا اثر محسوس کر لیتے۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری کا بیان۔

سیدنا معاذؓ بن جبل نماز میں لمبی سورتیں لگاتے تھے، لوگوں کو پریشانی ہوتی تھی، جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے غصہ میں فرمایا: معاذ! لوگوں میں فتنہ برپا کرتے ہو؟ (بخاری:701)

کوئی شخص کہہ رہا تھا کہ میں روزہ کا ارادہ کر رہا تھا لیکن صبح جنبی تھا، اس لئے روزہ نہیں رکھا، نبی ﷺ نے فرمایا: میں صبح جنبی ہوتا ہوں اور روزہ کا ارادہ ہوتا تو روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا: آپ تو ہماری طرح نہیں ہیں، آپ کے سارے گناہ تو اللہ نے معاف کر رکھے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر غصہ ہو گئے اور فرمایا: بخدا! میں تم میں سب سے زیادہ خدا کا خوف رکھنے والا اور اس سے تقویٰ

رکھنے والی چیزوں کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔(بیہقی:8246)

نبی ﷺ سے لوگوں نے کچھ ایسی چیزیں دریافت کی جو آپ کو ناگوار گذری ،آپ ﷺ غصہ ہوئے اور فرمایا: جو پوچھنا ہے پوچھو۔ایک شخص نے کہا: میرے باپ کون ہیں ؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: حذافہ۔دوسرے نے کہا: میرے باپ ؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: سالم۔جب حضرت عمرؓ نے رسول کریم ﷺ کے چہرہ پر غصہ کا اثر دیکھا تو کہنے لگے: یارسول اللہ! ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں۔(بخاری: 92)

بہت دفعہ غصہ بہت سی غلطیوں کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتا ہے،اس وقت نرمی کرنے سے نقصان ہوتا ہے۔فرض کریں: کسی بچہ نے (العیاذ باللہ) گھر سے ہی کوئی چھوٹی سی چیز بغیر اجازت کے لے لی۔اگر اس کے ساتھ اِس وقت نرمی کی جائے گی تو یہ اس کے حق میں بُرا ہوگا،اِس وقت سخت غصہ کی ضرورت ہے۔

ایک شخص جب چوری کے جرم میں متعدد بار پکڑا گیا تو اسے پھانسی کی سزا سنائی گئی،تختۂ دار پر لے جاکر مرنے والے سے آخری خواہش پوچھی گئی،اس نے کہا: ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ماں کو بلوایایا۔ماں! میرے قریب آؤ۔اور قریب آؤ مری ماں!

جب ماں بہت قریب ہوگئی تو اس نے اپنا منہ ماں کے کان کے پاس لایا ،گمان تھا کہ کوئی راز کی بات کہے گا،لیکن یہ کیا...؟اس نے زور سے ماں کے کان میں دانت کاٹ کر کان زخمی اور لہولہان کردیا۔

پوچھا گیا: تم نے ماں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا....؟اس نے جواب دیا: جب میں بچپن میں چھوٹی چھوٹی چیزیں چرا کر لاتا تھا تو میری ماں کچھ نہ کہتی تھی،وہ مسکراتی اور خوش ہوتی تھی،جس کے وجہ سے میری عادت چوری کی ہوگئی اور آج میری سزا پھانسی ہے۔اگر یہ بچپن میں ہی مجھ پر سختی کرتی،مجھ پر غصہ کرتی،ڈانٹی اور مارتی تو...میں خواری اور رسوائی کے اس نتیجہ کو نہ پہونچتا۔

جی ہاں! اگر غلطی ایسی ہے جس کا صحیح اور مناسب علاج غصہ ہے تو اس وقت غصہ کرنا ہی مصلحت کا تقاضہ اور اسوۂ رسول ہے۔

ڈانٹ اور مار

لاتوں کا بھُوت باتوں سے نہیں بھاگتا۔بہت سی جگہ نرمی اور رِفق سے ناجائز فائدہ ٹھایا جاتا ہے،اس وقت نرمی کوئی فائدہ نہیں دیتی،موعظت حسنہ سے اس کا کام نہیں چلتا،دعاء اس کے لئے مفید نہیں ہوتی،غصہ سے اس کی شیطنت باہر نہیں نکلتی ،تب جاکر ڈانٹ کی ضرورت پڑتی ہے،اس وقت غلطی کی اصلاح کا یہی طریقہ اپنایا جانا چاہئے۔

لیکن ہاں...دھیان اور خوب دھیان رہے کہ ڈانٹ ڈپٹ محدود اور مختصر جملہ میں ہو۔کیونکہ اس کا مقصد صرف تنبیہ ہے،بدلہ یا دشمنی نکالنا نہیں۔

آقا ابوذرؓ اور ان کے غلام پر ایک جیسا ہی کپڑا تھا۔معرورؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے اِس راز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جوب دیا: میں نے ایک بار ایک غلام کو ماں کی گالی دے دی۔نبی ﷺ نے سن لیا: ابوذر! تم ایسے شخص ہو جس میں جاہلیت کی باتیں ہیں۔یہ تمہارے بھائی اور ساتھی ہیں،اللہ نے اِنھیں تمہارے زیرِ نگیں رکھا ہے،جو شخص کسی کو اپنے ماتحت رکھے تو اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے،اسے وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے ،ان کے کاموں میں ان کی مدد کرے۔(بخاری:30)

ابوذرؓ نے کسی کو عار دلایا،یہ ایک غلطی تھی اور یہ معاملہ اسلام کے منافی تھا تو نبی ﷺ نے انھیں ڈانٹا۔لیکن....اِس ڈانٹ میں صرف ضرورت بھر بات کہی گئی۔آپ بھی اگر یہ طریقہ استعمال کریں تو ڈانٹ مختصر رکھیں،اس میں زیادہ اور فضول باتیں نہ کہیں،اس سے بات بے اثر ہوجائے گی۔

مجھے یاد ہے جامعہ میں ایک بار ناظم دارالاقامہ نے طلباء کو ڈانٹا کہ اوپر چھت پر گیلے کپڑے پھیلا کر اس پر کوئی پتھر نہ رکھیں، دوسری جگہ کپڑ پھیلائیں۔ یہ بات اس قدر سخت انداز میں کہی گئی تھی کہ میں سمجھ رہا تھا اس کا مرتکب نا قابلِ عفو قرار دیا جائے گا۔

لیکن...اس کے بعد فوراً انھوں نے ایک جملہ کہہ دیا: اگر وہ پتھر کسی کے سر پر گر جائے تو اسے ہسپتال لے جانے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ تمام طلباء ہنس پڑے اور وہ خود بھی۔

یہ ڈانٹ بے اثر ثابت ہوگئی اور حالت یوں ہی برقرار رہی۔ کیونکہ اس میں ایک غیر ضروری بات حالات کی عدمِ مناسبت کے ساتھ کہہ دی گئی، لہٰذا جو بھی اثر ہوا تھا وہ بھی ختم۔

وہ سات سال کا بچہ گھر کے باہر دوپہر سے کھیل رہا ہے، ابھی مغرب کی اذان پر گھر آیا، ماں نے خوب ڈانٹا، بہت زیادہ۔ بچہ سہما ہوا تھا، ابھی کتاب ہی اٹھا رہا تھا کہ ماں بول پڑی: بیٹو! میں تمہیں کتنی محبت کرتی ہوں، تم تو کچھ سمجھتے ہی نہیں، اگر تم یوں نہ کرتے تو میں تمہیں کیوں ڈانٹتی، اب مجھے بھی تمہیں ڈانٹنا بُرا لگ رہا ہے۔

بس.....بچہ کے دل سے ماں کی ڈانٹ کا اثر ختم ہوگیا۔ اِس وقت یہ غیر ضروری بات غیر مناسب تھی۔ اس لئے دھیان رہے کہ ڈانٹ مختصر ہو اور اس میں کوئی غیر ضروری کلام نہ داخل کیا جائے۔

تادیبی مار

مار بھی تصحیح اخطاء کا ایک ذریعہ ہے، اس کا مرحلہ بہت بعد میں آتا ہے، جب ''غصہ، قطع تعلق، دعاء اور ڈانٹ ڈپٹ'' بھی بے اثر ہوجائے تب....اس وقت مار کی ضرورت ہوتی ہے۔ تادیب کے لئے مارنا منہاجِ ربانی ہے: **الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض وبم انفقوا من اموالھم، فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظھن اللہ، والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن، فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا.** جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو، اسے نصیحت کرو، اگر نہ مانیں تو ان کے بستر الگ کردو، پھر بھی باز نہ آئیں تو انھیں مارو۔

سب سے پہلے نصیحت کی جائے، نرمی سے سمجھانے کا حکم، اس کے بعد بھی نہ سمجھے تو قطع تعلق، بستر الگ کردیں، لیکن اب بھی ہوش نہ آئے اور وہ اپنی غلطی نہ سدھارے تب......مار سے کام لیا جائے۔ اس وقت مار ہی کی حاجت ہے، یہی حالات اور وقت کا تقاضہ ہے۔

لیکن اس وقت بہت اچھی طرح سے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی کو اس کی غلطی پر مارنا اس کی اصلاح کے لئے ہے، اس کا مقصد انتقام لینا نہیں ہے، اس لئے یہ مار حد میں رہے، حدود نہ توڑ دئے جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا، ہاں اللہ کے محارم اور حدود کی پامالی کی جاتی تب آپ غضبناک ہوجاتے اور یہ غصہ اللہ کے لئے ہوتا۔ مار بھی اللہ کے لئے ہو۔

جب تمہارا بچہ سات سال کا ہوجائے تب اسے نماز کا حکم کرو، اور جب دس

سال کا ہو جائے تو نماز چھوڑنے پر اس کی پٹائی کرو۔(ابوداؤ:495)

اصلاح کے اندر مار کی بھی ایک خاص حیثیت ہے لیکن اس میں چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں: تادیب کے تمام مراحل سے گذر چکنے کے بعد بھی اصلاح نہ ہو سکے تب بطور مجبوری کے اس کا استعمال کیا جائے۔ایسا نہیں کہ پہلا مرحلہ مار کا ہی ہو، کچھ لوگ مار سے ہی باتیں کرتے ہیں، یہ اسوۂ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

بدن کے الگ الگ حصوں پر مارا جائے، ایک جگہ پر بہت زیادہ نہیں مارنا چاہئے۔

جسم کے بہت زیادہ حساس جگہوں پر مارنا ظلم ہے۔ جیسے چہرہ، سر، آنکھ کان وغیرہ۔

کِلنِک پر ایک شخص اپنے بچہ کو لے کر آئے کہ :اس کا کان خراب ہو گیا ہے، مرض دیکھنے سے لگ رہا تھا کہ یہ چوٹ کا اثر ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ :سبق یاد نہ ہونے پر کان پر زور کا طمانچہ لگا ہے۔ یہ ظلم ہے، اس مار کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

غصہ کی حالت میں نہیں مارنا چاہئے، کیونکہ غصہ کی وجہ سے اکثر اوقات یہ مار تأدیب کی حد سے نکل کر انتقام کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی ٹھیک نہیں کہ لکڑی اٹھائی اور مارنا شروع کیا، اب لکڑی چاہے جہاں پڑ رہی ہو، اس کی پرواہ نہیں۔

مصلح اور استاد کو چاہئے کہ غلطی کرنے والے کو خود مارے، یہ مارنے کا حق دوسرے کے سپرد نہ کرے، کہ اس سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ دوسرا شخص کہیں حد سے آگے نہ نکل جائے۔

دس مار، دس تھپڑ یا دس لکڑی مار آخری حد ہے، اس سے آگے افراط اور زیادتی ہے۔حضرت ابوبُردہؓ نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ :کسی کو دس کوڑے سے

زیادہ نہ مارا جائے، ہاں مگر...حدود اللہ میں (یعنی زناء وغیرہ کے حدود جو دس سے زیادہ من جانب اللہ مقرر ہیں) (بخاری:6848)

یہ تمام شرائط و حدود اس امر کی جانب غماز ہیں کہ مار دو طرح کا ہوتا ہے: تکلیف دینے کے لئے یا اصلاح وتنبیہ کے لئے۔ایک بار نبی ﷺ حضرت قیس بن سعدؓ کے پاس سے گذرے، انھیں اپنے پاؤں سے مارا اور فرمایا: کیا میں تمھیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے جانب رہنمائی نہ کر دوں ؟انھوں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔(ترمذی:3930)

نبی ﷺ کی قیسؓ کو یہ مار محض تنبیہ کے لئے تھی، اس بات پر تنبیہ کہ کہیں اس کلمہ **"لا حول و لا قوة الا بالله"** کی اہمیت وعظمت ان کے پردۂ نسیان کے پیچھے نہ چلی جائے۔آپ ﷺ نے تنبیہ کے غرض سے ایسی مار کا استعمال فرمایا ہے، یہ دیکھئے

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:

میں مسجد نبوی میں سو رہا تھا کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور مجھے اپنے پاؤں مبارک سے مار کر جگایا: یہاں سو رہے ہو ابوذر؟ جی اللہ کے پیغمبر! دراصل میری آنکھ لگ گئی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اس وقت کیا کرو گے ابوذر جب تمہیں یہاں سے نکالا جائے گا؟ نکالا جائے گا....؟ کیا کروں گا یا رسول اللہ۔بس اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں، جو ہدایت کے زیادہ قریب ہو؟ ان (امیر) کی بات سننا، ان کی فرماں برداری کرنا اور وہ تمہیں جہاں لے جائیں، چلے جانا۔(ابن حبان:6668)

یہ مار بھی تأدیب وتنبیہ اور تعلیمِ خیر کے لئے تھی۔

حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ ''ابن زیاد'' نے نماز میں تاخیر کی (یعنی نماز کا جو وقت تھا، اس میں تاخیر کردی) میرے پاس عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ تشریف لائے، میں نے ان کے لئے کرسی پیش کی اور زیاد کی اس حرکت کا ذکر کیا، انھوں نے اپنا ہونٹ دبایا اور میرے رانوں پر مار کر فرمایا: میں نے بھی ابوذرؓ سے یہی پوچھا تھا جو تم نے مجھ سے پوچھا ہے، تو انھوں نے مجھے میرے رانوں پر مار کر کہا تھا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی بات پوچھی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے میرے ران پر مار کر جواب دیا تھا: نماز کو اپنے وقت میں پڑھ لینا، پھر جب تم اُن کے ساتھ نماز پاؤ، تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا، اور یہ مت کہنا کہ: میں نماز پڑھ چکا ہوں تو اب نہیں پڑھوں گا۔ (مسلم: 1501) (اس میں یہ بھی دیکھیں کہ ران پر مارنے کی سنت (نبی ﷺ کے طریقہ) کے وہ لوگ کتنے حریص تھے کہ رسول ﷺ نے انھیں جس طرح یہ بات بتائی انھوں نے اپنے شاگرد کو بھی اسی انداز سے یہ بات بتائی، کیا ہم لوگ بھی ایسی پیروی اور اتباع کے حریص نہ بنیں؟)

یہ حدیث رہنمائی کررہی ہے کہ اہم کام کے لئے ابھارنے اور اس پر تنبیہ کرنے میں ہلکی اور اس جیسی مار کی گنجائش ہے۔

خلاصہ اس بحث کا

دوسرے لوگوں کی غلطی کی اصلاح کرنا واجب ہے، یہ نصح فی الدین ہے جس کا نبی ﷺ نے حکم فرمایا، نصح للمسلمین یہ ہے کہ دوسرا شخص اگر غلطی میں ہو تو اسے اِس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ کہتے ہیں کہ: اچھا اور سچا دوست وہی ہے جو دوست کی غلطیاں اسے بتادے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ''دین صرف نہی عن المنکر کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ ''امر بالمعروف'' بھی ہے۔

تربیت صرف یہی نہیں کہ غلطیوں کی اصلاح کردی جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تلقین وتعلیم اور دین وشریعت کے احکامات واوامر ونواہی سے مطلع کرنا اور ایسے انداز میں بتانا جو قبولیت کے زیادہ قریب اور لائق ہو۔

جب بھی اصلاح کی جائے تو ان ہی طریقوں کو اپنایا جائے جو نبی ﷺ نے اپنایا ہے۔ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا.**

رسول کرم ﷺ کے اصلاح کا طریقہ موقع، وقت، حالات اور اشخاص کے اعتبار سے بدلتا رہتا تھا، جس کے پاس فقہ اور سمجھ ہو وہ دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ کس وقت کون سا طریقہ عمل میں لایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کو اپنانا بہت ہی سہل اور آسان ہے، انسانی زندگی کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ جو بقیہ زمینی اور دوسرے معاشروں کے طریقے ہیں، وہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ طریقوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے، مقابلہ تو کجا؟ اس کے عُشرِ عشیر کا عُشرِ عشیر بھی نہیں۔

غلطیوں کے جو اسباب ہیں: جہل، کبر، عجلت، حسد، ہویٰ اور غضب۔ان کو دور کرنے کے اور ان سے بچنے کی خوب خوب کوشش کی جائے اور یہ دو چیزوں سے حاصل ہوگی: کتاب اللہ اور رجال اللہ۔

جو شخص بھی کسی کی اصلاح کا ارادہ کرے اس کے لئے یہ چیزیں بہت اہم ہیں:

اخلاص، پھر یہ سمجھنا کہ غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے، ایسا نہیں کہ میں اصلاح کر رہا ہوں تو میں اس سے پاک ہوں، یہ خام خیالی اور بڑی غلط فہمی ہے۔تصحیح میں عدل و انصاف، بڑی اور خطرناک بیماریوں کا علاج سب سے پہلے، نرم گفتاری سے، سہولت سے، خلق حسن سے، حکمت اور موعظتِ حسنہ سے۔کبھی اشاروں میں، کبھی کنایوں میں اصلاح کر دیں۔

کبھی اس کی تعریف کر کے اپنی بات سامنے رکھیں، اس کے ساتھ ہمدردی کر کے اس کی غلطی سدھارنے کی کوشش کریں، اُسے غلطی کے مضرات ونقصانات سے باخبر کریں، پھر اُسے درست طریقہ کی بھی رہنمائی کریں، غلط کام سے نفرت دلائیں، عملی اصلاح بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔کبھی ہاتھ کا استعمال بھی ضروری ہوتا ہے، کبھی غصہ کرنا مناسب ہے، تو کبھی مار بھی ناگریز ہو جاتی ہے۔

اِن سب امور کا لحاظ کرتے ہوئے؛ رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں ناکامی ہوسکتی ہے۔

اور ناکامی ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ جب کہ ان کی اطاعت اور نقش قدم پر چلنا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے، اور اسی میں سب سے بڑی کامرانی ہے۔تو آئیں قدم سے قدم ملا کر! نکلیں اندھیروں سے اور چلیں........

روشنی کی جانب

یہ ان طریقوں کا بیان تھا جنھیں اپنا کر ایک شخص اپنے کسی مسلمان کی بھائی کی بہترین اصلاح کر سکتا ہے لیکن دوسری چیز جو اِس سے زیادہ اہمیت کی حامل اور عظیم ہے وہ ہے داعی اور مُصلح کے صفات اور اخلاق۔آپ کو اِن مذکورہ طریقوں کے ساتھ ساتھ کچھ خاص صفات بھی اپنے اندر لانے ہوں گے جس کی وجہ سے آپ کی اصلاح کا عمل نہایت مؤثر ہوگا تو آئیں اپنے قائد اعظم احسن المعلم محمد بن عبداللہ ﷺ کے وہ خاص صفات کیا تھے جنھوں نے اصلاح امت اور نشرِ دین میں اہم کردار ادا کیا؟ میں کچھ خاص صفات کا تذکرہ کرتا ہوں۔واللہ المستعان وعلیہ التکلان.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وانک لعلیٰ خلق عظیم

رافت ورحمت

وہ....لوگوں میں سب سے زیادہ رحیم وشفیق تھے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:**فبما رحمة من الله لنت لهم** ،الخ. اللہ کی رحمت سے آپ نرم دل ہوئے ،اگر آپ سخت ہوتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے)اُن کے اس تعامل اوراس خلق رفیع کونشر دین اسلام میں بہت بڑا اثر تھا،وہ سختی ،شدت اورغلظت سے کوسوں دور تھے،اُن کے کمال خلق وصداقت ہی کی وجہ سے اُن کی دعوت مکہ کے گھر گھر میں پہونچی اوراتنی کم وقلیل مدت میں حجۃ الوداع میں انسانی سروں کا ہجوم امنڈ آیا،اس انداز وطرز سے کفار مکہ کے دلوں پر اثر پڑا جس کی وجہ سے وہ آپ پر تہمت لگانے لگے کہ: یہ تو کوئی جادوگر ہے جو بیوی وشوہر اور بچے وباپ کے بیچ تفرقہ ڈال دے رہا ہے،نہ جانے اس کے اندر کیا کشش اور جادو ہے کہ قافلہ قافلہ اس کے پاس کشاں کشاں آرہا ہے،آئیں ذرا میں آپ کو بتاؤں کہ نبی ﷺ شفیق اوررحیم کیسے اور کس طرح تھے؟

(1) چچاابوطالب کے ساتھ:ابوطالب درحقیقت نبی ﷺ کے دعوتی کاموں میں آپ کے حلیف تھے،اسی وجہ سے نبی ﷺ کی بہت بڑی خواہش اورحرص تھی کہ آپ کے چچاایمان قبول کرلیں،لیکن اللہ کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ ان کی موت کفر پر ہوگی۔حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ: جب ابوطالب حالت نزع میں تھے تو نبی ﷺ تشریف لائے ،دیکھا کہ وہاں ابوجہل ،عبداللہ بن امیہ بن

مغیرہ پہلے سے موجود ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: میرے چچا! لا الہ الا اللہ کا ایک جملہ کہہ دیں ،بس میں اللہ کے یہاں آپ کی سفارش کروں گا،جھٹ سے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے بکواس کی:ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

نبی ﷺ اپنے چچا پر اسلام کا یہ کلمہ لا الہ الا اللہ پیش کرتے رہے،بار بار دہراتے رہے،تاآنکہ ابوطالب نے آخری جملہ کہا: میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔انھوں نے کلمۂ شہادت کی ادائیگی سے انکار کردیا، نبی ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں آپ کے لئے اس وقت تک مغفرت مانگتا رہوں گا جب تک اس سے روک نہ دیا جاؤں۔اللہ نے آیت نازل کی: **ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربىٰ من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم.** اورخدانے ابوطالب کے تعلق سے نبی ﷺ کومخاطب کیا:**انک لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء وهو اعلم بالمهتدين.** آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ،لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے،اوروہ ہدایت پانے والوں کوزیادہ جاننے والا ہے)لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ کی شفقت وموافقت اس حدتک کام آئی کہ ان کے عذاب میں تخفیف کردی گئی ،جب حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ: آپ کے چچا کو آپ سے کیا فائدہ ہوا؟ وہ تو آپ کی حمایت کرتے تھے۔آپ ﷺ نے جواب دیا: وہ بہت ہلکے عذاب میں ہیں،اگر میں نہ ہوتا تو وہ سب سے نچلے درجہ میں ہوتے۔اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کے یہاں ان کی سفارش کی ،جب ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی۔

یہودی خادم کی ساتھ آپ کی شفقت ورحمت

مجھے نہیں لگتا کہ تاریخ اس سے زیادہ شفقت ورحمت کی رائع وشاندار مثال پیش کرسکتی ہے، نبی ﷺ کا تواضع، آپ کی اُس غلام پر رحمت، اسلام کی دعوت اور اس بات سے فکر کہ کہیں وہ حالت کفر میں ہی نہ مرجائے۔

حضرت انسؓ پورا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی غلام نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن بیمار ہوگیا، نبی ﷺ اس کی عیادت کو آئے، اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے، اس کے باپ کی جانب نگاہ اٹھائی اور اس بچے سے فرمایا: ابوالقاسم محمد کی بات مان لو۔ وہ بچہ اسلام لے آیا۔ نبی ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر آئے: **الحمد لله الذی انقذه من النار.** تمام تعریف اس اللہ کے لئے جس نے اسے جہنم کی آگ سے بچادیا۔

قوم قریش کے ساتھ آپ کی شفقت ورحمت

نبی ﷺ اپنی قوم کے بارے میں انتہائی فکرمند رہا کرتے تھے، ان پر بہت افسوس کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم.** آپ کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں یہ لوگ کفر پر نہ مرجائیں، آپ کی دعوت کو دیکھ کر اس کا اندازہ لگائیں کہ آپ کو ان لوگوں کی کس قدر فکر تھی، آپ انھیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے کس قدر کدوکاوش اور سعی فرماتے تھے، حد یہ کہ آپ ﷺ کو اس کا جواب تکلیفوں اور مذاق بنانے سے ملتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: **وانذر عشیرتک الاقربین.** (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) تو نبی ﷺ صفاء پہاڑی پر چڑھے اور آواز لگائی: او بنوفہر! او بنوعدی! سب لوگ جمع ہوگئے، جب قریش کے اکثر لوگ جمع ہوگئے تو نبی ﷺ نے اپنی بات شروع فرمائی: اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ ایک بہت بڑی فوج تم پر حملہ آور ہوکر تمھیں غارت کرنے والی ہے، تو کیا تم مجھے سچا جانوگے؟ سبھوں نے ایک بول میں جواب دیا: یقیناً! بلاشبہ ہم نے آپ کو بہت جانچا ہے، ہمیشہ آپ کو سچا پایا ہے۔

تب نبی ﷺ مدعا پر آئے اور گویا ہوئے: میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ ابولہب نے یاوہ گوئی کی: تیرا ناس ہو! اسی لئے بلایا تھا؟ تب الہِ محمد نے آیت نازل فرمائی: **تبت یدا ابی لهب. الخ.** ابولہب برباد ہو اور ہلاک ہو.......!

ذرا اور آگے بڑھیں، یہ دیکھیں حضرت عروہ بن زبیر اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے ایک دن نبی ﷺ دریافت کیا: اے اللہ کے رسول!

کیا آپ کو احد کے دن سے بھی زیادہ کبھی تکلیف ہوئی ہے؟ فرمایا: ہاں! جس دن میں نے طائف میں اپنے آپ کو عبد یالیل پر پیش کیا تھا۔

اتنی سخت تکالیف اور انتقام پر قدرت کے باوجود صبر کر لینا نبی ﷺ کا یہ موقف آپ کے فرط رحمت اور قوم قریش کے ساتھ آپ کی شفقت پر دلیل و برہان ہے، پھر حد دیکھیں کہ نبی ﷺ اس کے بعد بھی دعوتِ الٰہی میں جڑے رہے، صابر و مثابر بن کر، جب اکثر لوگوں نے آپ کی دعوت ٹھکرائی اور آپ شدید غم و اندوہ کے عالم میں تھے تو اللہ نے تسلی دی: **فلعلک باخع نفسک علیٰ اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا.** اوہ تو کیا اگر یہ لوگ اگر ایمان نہ لائیں تو آپ افسوس میں اپنی جان ہی دے دیں گے؟. .**فلا تذھب نفسک علیھم حسرات.** اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہر شخص مؤمن ہو جاتا لیکن اللہ کی حکمت اس بات کی مقتضی نہیں تھی: **ولو شاء ربک لآمن فی الارض کلھم جمیعا، أفأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین.**

سخت سے سخت اذیات وتکلیفات کے باوجود نبی ﷺ کا یہ عظیم موقف آپ کی غایت رحمت وشفقت کا وہ حسین پہلو ہے جس کی مثال تو کجا؟ جس کا عکس بھی نظر نہیں آ سکتا۔

فتح مکہ.....کے دن نبی ﷺ فاتح سالار کی حیثیت سے داخل ہو رہے ہیں، مگر شان پر قربان جائیں کہ سر جھکا ہوا اور زبان ذکر وشکر میں مصروف۔ جب قریش ،ڈرے سہمے مجرموں کی صف میں بیٹھے ہیں، سب کا دل خوف سے کانپ رہا ہے، سب اپنے اپنے مظالم کو یاد کر کے لرزاں ہیں، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **اذھبوا فأنتم الطلقاء.** جاؤ تم لوگ آزاد ہو۔

پوری امت کے لئے آپ کی رحمت وشفقت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: **رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم.** اے میرے رب! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو آپ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ اور جس میں حضرت عیسیٰؑ نے مناجات کی: **ان تعذبھم فانک عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم.** اگر آپ انھیں عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اگر ان کی بخشش کر دیں تو یقیناً آپ غالب حکمت والے ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مناجات کرنے لگے: اللھم امتی امتی۔ آپ کے آنسو رواں ہو گئے۔ تو اللہ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا: محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ: کون سی چیز آپ کو رلا رہی ہے؟ جبرئیل یہ پیغام لے کر آئے اور اللہ کا یہ سوال سنایا: نبی ﷺ نے امت کے بارے میں اپنی فکر اور اپنا غم بتایا۔ پھر اللہ نے جبریلؑ سے کہا: جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور کہو! ہم آپ کو آپ کی امت کے تعلق سے خوش کر دیں گے، آپ کو غمگین نہ کریں گے۔ **ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ.**

آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کا سب سے بڑا مظاہرہ تو قیامت کے دن ہوگا، جس کی ہولناکی سے بچوں پر بوڑھاپا طاری ہو جائے گا، جس کی ہیبت سے حاملہ اپنے جنین نیچے ڈال دے گی، اُس دن........

''میں جاؤں گا، اپنے رب سے اجازت مانگوں گا، مجھے اجازت دی جائے گی، میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں گا، پھر میں اس کی ایسی تعریف کروں گا جس پر

میں ابھی قادر نہیں، جب اللہ مجھے الہام کریں گے، پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا، جب مجھ سے کہا جائے گا: محمد! اپنا سر اٹھایئے! اپنا مدعا پیش کیجئے، آپ کا مطالبہ سنا جائے گا، آپ سوال کریں، دیا جائے گا، آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائیگی، تب میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھ سے کہا جائے گا: جایئے! جس کے دل میں جو یا گیہوں کے برابر ایمان ہو اس کو نکال لایئے۔ پھر میں جاؤں گا اور ایسا کرآؤں گا۔ پھر میں اپنے رب کے پاس لوٹ کر آؤں گا، پھر میں ان کی تعریف کروں گا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے! کہئے! آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کریئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: خدایا! میری امت میری امت! مجھ سے کہا جائے گا: جایئے اور جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو، اسے جہنم سے جا نکالئے، پھر میں جاؤں گا اور ایسا کرآؤں گا''۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کی دی ہوئی کس اذیت کا سامنا نہیں کیا، آپ کو مارا گیا، گالی اور دشنام طرازیاں کی گئی، آپ کے محبوب شہر سے آپ کو نکالا گیا، لیکن آپ ان کے لئے......دعاء کرتے رہے۔ جی ہاں! حرف شکایت کے بجائے ہدایت کی دعائیں۔ ان کی خطاؤں کو درگذر اور معاف فرماتے گئے، حلم و بردباری سے کام لے کر ان میں سے اکثروں کو ہدایت کی روشنی کی طرف لاتے رہے۔

تواضع ونرمی

نبی ﷺ بہت متواضع تھے، آپ نے دنیا اور اس کی زینتوں کی خواہش نہیں کی، اگر آپ نے یہ چاہا ہوتا تو یقیناً یہ آپ کو مل جاتی، لیکن آپ نے اللہ اور دارِ آخرت کی خواہش کی، پس اللہ نے آپ کو دنیا اور آخرت دونوں کے شرف سے نوازا، اپنے نام کے ساتھ ان کا نام بھی لگایا: **اشهد ان لا الـه الا الله** اس وقت تک مکمل نہیں جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ ہو۔

اگر ہم میں سے کسی کو یہ کہہ دیا جائے کہ تمہیں اس ضلع کا ایم پی بنایا جا رہا ہے۔ تو یقین کریں ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہے گا، کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ خوشی کے مارے کیا کر دیں لیکن:

یہ حضرت ابن عباسؓ نقل کر رہے ہیں کہ: اللہ عز وجل نے نبی ﷺ کے پاس جبریلؑ کے ساتھ ایک فرشتہ کو بھیجا، اس فرشتہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپ نبی اور عبد بنیں، یا بادشاہ بنیں۔ نبی ﷺ حضرت جبریل کی جانب مشورے کے لئے متوجہ ہوئے، انھوں نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا کہ تواضع۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: **بـــل اکون عبدا نبیا.**

اس کے جملہ کے بعد نبی ﷺ نے کبھی بھی ... پوری حیات مقدسہ میں ایک بار بھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔ آئیں آپ ﷺ کی تواضع اِدھر دیکھیں: حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ: ہم چھ لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، مشرکین نے ہمیں دیکھ کر نبی ﷺ سے کہا: آپ نے کن لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا ہے، جو

ہماری برابری کے نہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ: میں، ابن مسعود، قبیلۂ ہذیل کے ایک شخص، بلال اور دو مزید اشخاص تھے، چنانچہ نبی ﷺ کے دل میں کوئی بات آ گئی، اللہ نے آیت نازل کی: **ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداة والعشی یریدون وجھه.**

ایک بار نبی ﷺ قریش کے سرکردہ افرد کو اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، اسی اثناء آپ کے پاس ابن ام مکتوم تشریف لائے، نبی ﷺ کے خاطر پر ناگوار گذرا، آپ نے ان کی طرف سے بے اعتنائی برت کر قریشی سرداروں کی جانب توجہ کی تو اللہ نے آپ کی تنبیہ کی۔ عبس وتولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ.....!

اس طرح محمد (ﷺ) کے رب تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو ادب کی تعلیم دی اور کیا ہی اچھی تعلیم دی۔ جس کی وجہ سے نبی ﷺ متواضع تھے، کہ لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی، آپ پر ایمان لایا، آپ کی تصدیق اور مدد ونصرت کی، حتی کہ چند ہی سالوں میں اسلام پورے جزیرہ العرب میں پھیل گیا، اور معدودے چند سالوں میں شام وعراق کی سرحدیں پار کرتا ہوا دنیا کی تہذیبوں کو روندتا ہوا سب پر غالب ہوا۔

امتیاز کرنے سے گریز

آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان ملبس و مجلس کی وجہ سے امتیاز نہیں کرتے تھے، حتی کہ اگر کوئی مسافر اجنبی بھی آپ کی مجلس میں آتا تو آپ اس کے ساتھ ان ہی انداز میں پیش آتے جس انداز میں سبھوں کے ساتھ پیش آتے تھے۔

یہ ضمام بن ثعلبہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آئے، مسجد میں اونٹنی بٹھائی، اس کو باندھا اور زور سے آواز دی: تم میں محمد کون ہے؟ جب کہ نبی ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے انھیں بتایا: یہ سفید شخص جو ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔

ہمیں ذرا سا عہدہ ملا، ایک دو عزت کی نظریں ملی، ہماری مسندیں تیار ہو گئیں، خاص مجلس، عام مجلس، امتیازی معاملات، شخصیت کی نمائش ونمود۔ ذرا اِدھر دیکھیں:

ایسا بہت سی دفعہ ہوا کہ کوئی اجنبی آیا اور دریافت کر گیا کہ: محمد کون ہیں؟ اسی وجہ سے صحابہؓ اپنے درمیان نبی ﷺ کی حیثیت ظاہر کئے رکھنے کے طریقے اپناتے تھے، تا کہ کسی اجنبی شخص کو پوچھنے کی حاجت پیش نہ آئے۔ حضرت ابوذرؓ وابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، کوئی مسافر یا اجنبی آتا تو پوچھتا کہ: محمد کون ہیں؟ تو ہم نے چاہا کہ آپ ﷺ کے لئے کوئی بیٹھنے کی ایسی جگہ بنا دیں کہ کسی اجنبی کو پوچھنے کی نوبت پیش نہ آئے، پھر ہم نے آپ ﷺ کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا، جس پر آپ جلوہ افروز ہوتے اور ہم آپ کے اردگرد ہوا

کرتے تھے۔

صحابہ کو نبی ﷺ سے زیادہ محبوب اور کون ہوگا؟ وہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں، لیکن نبی ﷺ کی متواضع طبیعت اس کو ناپسند کرتی تھی، سو آپ ﷺ کے اسے ناپسند کرنے کی وجہ سے صحابہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

غریبوں کے ساتھ

نبی ﷺ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نشست و برخاست فرماتے اور ان کی ضرورت برآری فرماتے، ان کی مدد و معاونت کرتے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ کو غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ چل کر ان کی حاجت روائی میں کوئی ناگواری نہیں ہوتی تھی۔

یہی ہیں جو اپنی امت کو اپنے معاملات وسلوک سے ایک سبق دے رہے ہیں، مرشد و معلم کی حیثیت سے فرما رہے ہیں: **ماتواضع احد لله الا رفعه الله۔**

یہ حضرت انسؓ خبر دے رہے ہیں: ایک عورت عقلی اعتبار سے ذرا کمزور تھی، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک حاجت ہے؟ آپ ﷺ نے دریافت کیا: دیکھو کس گلی میں تمہاری ضرورت ہے کہ میں حاجت روائی کروں، پھر آپ اس کے ساتھ گئے اور اس کی ضرورت پوری فرما کر واپس آئے۔

اصحاب کی زیارت اور دعوت قبول کرنا

نبی ﷺ کسی بھی دعوت کو رد نہیں فرماتے تھے، نہ ہی اس میں تردد فرماتے، اگرچہ چھوٹی سی چیز کی ہی دعوت ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: مدینہ کے ایک خیاط نے نبی ﷺ کو جو کی روٹی اور سالن کی دعوت کی، اس میں کدو بھی تھا، حضرت انسؓ کا بیان ہے: نبی ﷺ کو کدو بہت پسند تھے، میں نے اسے آپ کے سامنے کر دیا۔ جس دن سے میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کو کدو پسند ہے، اس دن سے میں بھی اسے پسند کرنے لگا۔

گھر میں اپنے اہل وعیال کی خدمت

نبی ﷺ اپنے گھر میں ایسے ہی رہتے جیسے عام لوگ رہتے ہیں، اپنی ضروریات خود سے پوری فرماتے، اپنے اہل کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے، دیکھئے تو وہ کس طرح لوگوں کے لئے قدوہ اور اسوہ بن کر فرما رہے ہیں: **خیر کم خیر کم لاھله، وانا خیر کم لأھلی.** تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (گھر والے) کے لئے اچھا ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم میں سب سے زیادہ اچھا ہوں۔

حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا: نبی ﷺ گھر میں کیا عمل فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: اپنے گھر والوں کے کام میں مشغول رہتے، لیکن...جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کو چلے جاتے (ایسے ہو جاتے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں)

یوں بھی تو ہے: آپ خود سے نعلین مبارک میں تسمہ لگاتے، اپنے کپڑے سلتے اور گھر میں ایسے ہی کام کرتے جیسے تم لوگ کرتے ہو۔ **(ماکان الا بشرا من البشر کان یفلی ثوبه ویحلب شاته ویخدم نفسه)**

کرم وسخاوت

نبی ﷺ کی سخاوت ضرب المثل تھی اور ہے، عرب وعجم کی تاریخ میں کوئی شخص نبی ﷺ سے کرم وسخاوت میں بڑھا ہوا نہیں، خود پر دوسروں کو ترجیح دینا اور دنیا کی چیزوں کی جانب نظر التفات بھی نہ کرنا کرم وسخاء کی حد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: محمد ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان میں آپ کی سخاوت بڑھ جاتی جب جبریلؑ آپ کو قرآن سناتے اور آپ ﷺ امینؑ کو۔ **فلرسول الله أجود بالخیر من الریح المرسلة۔**

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ بھی عنایت فرماتے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل ہے کہ: نبی ﷺ نے کسی بھی مانگنے والے کو کسی مانگی ہوئی چیز پر کبھی ''لا'' یعنی ''نہیں'' نہیں فرمایا۔

آپ ﷺ کے جود وسخاء کے مظاہر بہت وسیع ہیں۔ اللہ اکبر! مجھے فرزدق کا وہ قصیدہ یاد آرہا ہے جو اس نے امام زین العابدینؒ کی شان میں کہا تھا، جب نواسے کا یہ عالم ہے تو نانا جان کی کیا شان ہوگی:

ماقال ''لا'' الا فی تشهده   لو لا التشهد کانت ''لاء ه'' نعم

انھوں نے کبھی ''لا'' (نہیں) نہیں کہا، سوائے تشہد میں، اگر تشہد نہ ہوتی تو ان کا ''لا'' (نہیں) ''نعم'' (ہاں) ہوتا۔

نانا جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وسخاء کے مظاہرات دیکھیں کہ:

(1) ایک شخص حاضر خدمت ہوا، آپ نے اسے ایک وادی (دو پہاڑوں کے بیچ کا فاصلہ) کے بقدر بکریاں عنایت فرما دی، اپنی قوم میں واپس گیا اور صدا لگائی: لوگو! اولوگو! اسلام لے آؤ! ارے ہاں! محمد (ﷺ) تو اتنا دیتے ہیں کہ انھیں

فقر کا بھی اندیشہ نہیں۔

(2) صفوان بن امیہ....سادات قریش میں سے۔ فتح مکہ کے وقت خوف سے بھاگ گئے، انھیں امن دے کر واپس لایا گیا، جب وہ نبی ﷺ کے پاس آپ کی امان کی چادر میں آئے تو کہا: اے محمد! یہ وہب بن عمیرؓ مجھے آپ کی چادر میں آپ کے پاس لے کر آیا ہے، اور مجھ سے اس نے یہ کہا کہ آپ نے مجھے بلایا ہے۔ نبی ﷺ نے جواب دیا: آ جاؤ ابو وہب۔ اس نے کہا: بخدا جب تک آپ پوری بات نہ بتا دیں تب تک نہیں آؤں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں تمہیں چار مہینوں کی مہلت ہے۔

نبی ﷺ جب قبیلۂ ہوازن پر فوج کشی کے ارادہ سے نکلے تو صفوان کو خبر بھجوائی کہ وہ آپ کو کچھ ہتھیار وسلاح عاریت پر دیں، وہ نبی ﷺ کے ساتھ حالتِ کفر میں ہی حنین وطائف میں شریک ہوئے۔

حضرت امام مسلمؒ نے حضرت ابن شہابؒ سے روایت نقل کی ہے کہ: جب اللہ نے مسلمانوں کو حنین میں فتح عطاء فرمائی، اس دن.. **اعطاہ النبی ﷺ مئة من النعم، ثم مئة ثم مئة۔**

صفوان کا بیان ہے: خدا کی قسم! مجھے رسول اللہ نے جو دیا بہت دیا، واللہ! وہ مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھے، لیکن وہ مجھ پر عنایات کرتے رہے، کرتے رہے، کرتے رہے، حتیٰ کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

نبی ﷺ کا یہ موقف تھا، یہ سلوک اور یہ معاملہ تھا جو صفوان ابن امیہ کے اسلام لانے اور دوزخ سے چھٹکارا پانے کا سبب بنا۔

مال غنیمت کے تعلق سے کچھ اہم فیصلے

غزوۂ حنین میں اللہ عزوجل نے ہوازن وثقیف کے کافروں کو شکست فاش دی، جس کے نتیجے میں بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار سے زیادہ اوقیہ چاندی۔ نبی ﷺ نے قیدیوں کی رہائی کا حکم فرمایا۔

اس میں واضح ثبوت ہے کہ نبی ﷺ کو ان کی اسیری سے زیادہ ان کا اسلام محبوب تھا، چاہتے تو تمام قیدیوں کی تقسیم فرما دیتے لیکن....آپ نے ان کے وفود کے سامنے اِنھیں پیش کیا۔

اس کے بعد....اموال غنیمت کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوئے اور تقسیم میں مؤلفۃ القلوب کی قسم کو مقدم کیا۔ ابوسفیانؓ کو چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ۔ انھوں نے کہا: میرے بیٹے یزید کو؟ آپ ﷺ نے انھیں بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ۔ ابوسفیانؓ نے عرض کیا: میرا بیٹا معاویہ؟ آپ ﷺ نے اُسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ عطاء فرمایا۔ حکیم بن حزام کو سو اونٹ دئے، پھر انھوں نے اور مانگا تو آپ ﷺ نے سو اونٹ اور عنایت فرمایا۔ نضر بن الحارث کو سو اونٹ۔ اسید ابن جاریہ ثقفی کو سو اونٹ۔ علاء بن حارثہ کو پچاس اونٹ۔ مخرمہ بن نوفل کو پچاس۔ حارث بن ہشام کو سو اونٹ۔ سعید ابن یربوع کو پچاس۔ صفوان ابن امیہ کو سو۔ قیس ابن عدی کو سو۔ عثمان ابن وہب کو پچاس۔ سہیل بن عمرو کو سو۔ حویطب ابن عبدالعزیٰ کو سو۔ ہشام ابن عمرو العامری کو پچاس۔ اقرع بن حابس کو سو۔ عیینہ بن حصن کو سو۔ مالک بن عوف کو سو اور عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ عنایت فرمایا۔

اِن لوگوں کو اس قدر مال دینے کی حکمت کیا تھی؟ اسے خود نبی ﷺ نے اس وقت بیان کر دیا جب انصار کی زبان پر حرف شکایت کا کوئی جملہ آیا کہ: رسول کریم ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں کہ انھیں دیا اور انصار کو نہیں۔تب...... نبی ﷺ نے حکمت بیان کی: میں ایسے لوگوں کو دے رہا ہوں جو کفر کے زمانہ کے قریب ہیں، کیا تم اے انصار! کیا تم.....کیا تم اس بات پر راضی نہیں ...کہ: لوگ مال و دولت سمیٹ کر لے جائیں اور تم مجھ اللہ کے پیغمبر (ﷺ) کو ؟ خدائے پاک کی قسم! تم ان سے بہترین چیز لے کر لوٹو گے۔سبحان اللہ! انصار کی خوشی قابل دید تھی: بلى يا رسول الله! قد رضينا.

ابھی کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ.....ہوازن کا وفد آپہونچا اور کہنے لگے: ہمیں ہمارے مال اور قیدی واپس کر دیئے جائیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سچی بات مجھے زیادہ پسند ہے۔دو میں سے ایک: مال یا قیدی؟

ہاں ذرا دیکھیں نبی ﷺ کی سخاوت اور شفقت و رحمت کہ آپ نے دس سے زیادہ دن تک ان کا انتظار کیا، جب انھیں یقین ہو چلا کہ ہماری چیزیں تقسیم ہو چکی ہیں تو انھوں نے عرض کیا: اے پیغمبر! ہمیں ہمارے قیدی واپس فرما دیں۔ نبی ﷺ نے لوگوں سے قیدیوں کی واپسی کی بابت کہا، سبھوں نے اپنے اپنے قیدی واپس کر دیئے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے اس طریقہ کی حکمت .....عہد ابوبکرؓ و فاروقؓ میں ظاہر ہوئی، یہی مؤلفۃ القلوب حضرات مسلمان فوج کے کمانڈر رہے۔معارک یرموک اور فتوحات شام میں عکرمہؓ وصفوانؓ اور ابوسفیانؓ و معاویہؓ کے مواقف سے کون بے خبر ہوگا؟

(4) دیہاتیوں کے ساتھ نبی ﷺ کا موقف: حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان

ہے: ایک شخص (حنین سے واپسی کے دوران جعرانہ میں) نبی ﷺ کے پاس آیا، اور گویا ہوا: محمد! انصاف کریں!

سبحان اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: تیرا ناس ہو! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا؟ عمر بن خطابؓ طیش میں آ گئے: یا رسول اللہ! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے دیں۔

آہ! نبی ﷺ فرمانے لگے: عمر! معاذ اللہ! کیا میں لوگوں سے یہ کہلواؤں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرواتا ہے؟

دیہاتیوں نے تقسیمِ اموال کے وقت ازدحام لگا دیا، دھکم پیل میں حضرت اقدس محمد ﷺ کی رداء مبارک گر گئی، نبی ﷺ نے کچھ نہ کہا، نہ چیں بہ جبیں ہوئے، بس: میری چادر تو دو، میں تم میں سب تقسیم کر دوں گا، تم مجھے بخیل یا جھوٹا اور تنگ دل نہ پاؤ گے۔

دیکھیئے دل کانپ رہا ہے، حضرت انسؓ کا بیان: میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک دیہاتی آیا، نبی ﷺ کی چادرِ مبارک کھینچی، اور اس قدر زور سے کھینچی کہ میں نے دیکھا، آپ کی گردنِ مبارک پر نشان آ گئے، پھر کہنے لگا: محمد (ﷺ)! جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم فرمائیں۔

اللہ اکبر! نبی ﷺ مسکرا پڑے، پھر اسے دینے کا حکم فرما دیا۔

معاف کردینا

معاف کرنے کا مطلب ہے: بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود بدلہ نہ لینا، اللہ کا فرمان ہے: **خدا العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاهلين.**
نبی ﷺ نے اللہ کے حکم کی خوب خوب فرماں برداری کی، آپ کی حیات طیبہ میں اس کے بہت سے مواقف ومظاہر ہیں:

(1) شہداء اُحد کو مثلہ بنانے پر آپ کا موقف: جب احد کے دن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد شہید کر دی گئی تو کفار مکہ نے بہت سوں کا مثلہ بنا دیا، حضرت حمزہؓ کا دل نکال کر اس کا ہار بنایا۔ مسلمانوں نے کہا: ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ اللہ نے آیت نازل کی: **وان عاقبتم فعوقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين.** (اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی ہے، لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے اچھا ہے) نبی ﷺ نے سب کو معاف کر دیا، جب کہ آپ کو قدرت تھی کہ آپ ان سے بڑے سے بڑا بدلہ اور انتقام لے سکتے تھے، فتح مکہ کے دن چاہتے تو ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، لیکن......آپ نے عفوودرگذر کا عظیم پہلو اختیار کیا۔ **ولئن صبرتم لهو خير للصابرين.**

(2) غورث بن الحارث کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا موقف: کسی جنگ کے موقع پر آپ ﷺ اپنے اصحاب سے دور کسی پیڑ کے سایہ میں آرام فرما تھے، ایک اعرابی آیا اور سر پر تلوار تان کر کہا: کون بچائے گا؟ آپ نے نہایت سکون سے جواب دیا: اللہ! یہ سننا تھا کہ اس کے پاؤں کانپ گئے، تلوار ہاتھ سے گر پڑی، نبی ﷺ نے تلوار اٹھائی اور کہا: تمہیں کون بچائے گا؟ پھر آپ نے اسے معاف کر دیا۔

آپ کے عفوودرگذر کا پہلو۔ اللہ کی آپ پر عنایت: **واللہ یعصمک من الناس.** نبی ﷺ کا اللہ پر کامل ومکمل بھروسہ۔ قدرت کے باوجود بدلہ نہ لینا۔

(3) عبداللہ بن ابی بن سلول: منافق، خزرکا سردار، ہمیشہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والا، غزوۂ احد کے موقعہ پر اپنے تین سو نفر لے کر واپس آنے والا، نبی ﷺ کی قتل کی سازش میں ہمیشہ کا شریک۔ غزوہ مریسیع میں واقعۂ افک پیش آیا جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں نہایت مفصل انداز میں کیا ہے؛ اس میں اسی نے افواہ کو ہوا دی اور اس کی ہوا نے آگ بھڑکائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ہم کسی جنگ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، کہ کسی انصاری اور مہاجر کے مابین نزاع ہوگیا، انصای نے آواز دی: یاللانصار! اور مہاجری نے: یاللمہاجرین! نبی ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیسی جہالت کی باتیں ہیں؟ چلو یہاں سے۔

اِدھر منافق ابن سلول کو واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے کہا: **واللہ لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل.** جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو بخدا ہم میں سے عزت والے ذلت والے نکال دے گا۔ حضرت عمرؓ نبی ﷺ سے: اللہ کے پیغمبر! مجھے اس منافق سے زمین پاک کرنے دیں! آپ نے فرمایا: جانے دو۔

جب ابن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی بن سلول کو یہ خبر ملی تو وہ حاضر خدمت ہو کر فرمانے لگے: یا رسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ ایسا کرنے ہی والے ہیں، تو مجھے حکم فرمائیں، میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کروں، خدا کی قسم! خزرج کا ہر شخص جانتا ہے کہ میں اپنے باپ کا سب سے فرماں بردار ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے باپ کو میرے سوا کوئی اور شخص قتل کرے، پھر میں اسے دیکھوں کہ عبداللہ

کے باپ کا قاتل زندہ چل پھر رہا ہے اور میں غیرت میں اسے قتل کر دوں۔اس کی وجہ سے تو میں ایک کافر کے بدلہ میں ایک مؤمن کا قاتل بن کر دوزخی بن جاؤں گا۔نبی ﷺ نے فرمایا:نہیں نا عبداللہ!ہم اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے،جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے،ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

دیکھیں کہ نبی ﷺ نے کس طرح اپنے اعلیٰ اخلاقِ فاضلہ کی وجہ سے ایک دنیا بلکہ پوری انسانیت کو اپنا گرویدہ بنالیا۔یہی سب وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جنھوں نے دشمنوں کے منہ سے بھی اُن کی ثناء خوانی کروائی۔دشمنانِ اسلام بھی اس بات کو ماننے پر مجبور ہو گئے کہ اتنے کم وقت میں اس قدر کامیابی اور ترقی اور ایک جمعیت کو اپنی جانب کر لینا صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے ہوا۔

اب....جب کہ نبی ﷺ کے بعد تبلیغ و دعوت کی ساری ذمہ داریاں (اُن کی امت ہونے کی وجہ سے) ہم مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں،تو ہم کو اس تبلیغ و دعوت کے کام میں بھی وہ طریقہ اور اسلوب اپنانے کی ضرورت ہے جسے لے کر ہمارے قائد جناب محمد ﷺ تشریف لائے۔

ہم میں سے ہزار ہا لوگ اِس اصلاح و تنبیہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں،لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی،اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کے طریقہ کو پس پشت ڈال دیا،ہم نے ان کی روِش سے منہ موڑ کر خود ساختہ طریقوں پر عمل کرنا شروع کر دیا،ہم نے عملی طور پر ان کی تعلیمات کو ٹھکرا دیا،ہم نے اُن کی سنتوں کو؛ جسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم تھا؛ پیچھے ڈال دیا۔پھر بھی ہماری خواہش ہے کہ ہم کامیاب ہوں،ہم چاہتے ہیں کہ ''بغیر وضو کے ہی ہماری نماز مکمل اور مقبول ہوجائے'' یاد رکھیں:خدائے پاک کی قسم!جس طرح سوئی کے ناکے میں ہاتھی کا داخل ہوجانا ناممکن ہے،اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ ہم مسلمان نبی ﷺ کے طریقہ

اور آپ کی روِش کو چھوڑ کر کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔

تو اِس وقت جب کہ تبلیغِ دین وقت کی اہم ترین ضرورت ہے،اور جب کہ ہمارے ہزار ہا بھائی اور بزرگان اِس کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں اور اپنے اوقات کی قربانی دے رہے ہیں،دین کے لئے مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں،پھر یہ کہ جیسے ہی انھوں نے تبلیغ دین کے لئے ایک لفظ بھی کسی سے کہا،اسی وقت سے وہ ''اصلاح اور تنبیہ'' کے عظیم الشان راستہ پر چلنے والوں میں سے ہو جاتے ہیں اور دوسروں کی اصلاح کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

تو اس اصلاح و تنبیہ کو مکمل کامیاب بنانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟

ظاہر ہے:قائد اعظم محمد ﷺ کے اسوہ اور طریقہ سے زیادہ اچھا اور کامیاب راستہ کس کا ہوسکتا ہے....؟

سو آیئے!عہد کریں کہ ہم تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تنبیہ میں کلی طور پر اسوۂ رسول ﷺ کو اپنانے کی اور اسے اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کریں گے!اللہ ہم اور آپ سب کو طریقۂ رسول ﷺ پر زیادہ سے زیادہ چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔
آمین۔

واللہ من وراء القصد وھو یھدی السبیل.

یا رب صل وسلم دائما ابدا

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد عفان العباسی